ڈاکٹر عبدالودود

اردو سے ہندی تک

ڈاکٹر عبدالودود

قیمت

تین روپیہ پچاس پیسے

ناشر

نسیم انہونوی

نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلی فون　آفس 24559
رہائش 25334

باہتمام عزیز الرحمن نظامی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

(بار اول جون ۱۹۷۶ء)

دیباچہ

اردو اور اردو کی حیثیت کم و بیش سو سال سے بحث و مباحثہ کا موضوع رہی ہے سیاست والوں نے بھی حسب توفیق حمایت و مخالفت کا بازار گرم کیا۔ تنگ نظر فرقہ پرستوں نے اردو کے خلاف ایک فضا پیدا کی اور اردو کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں کامیابی بھی حاصل کی۔ ان لوگوں نے اردو کے ساتھ کی جانے والی حق تلفی و ناانصافی کا ذکر بار بار کیا جو اسے ختم کرنے پر پوری طرح قادر تھے ہم اسے ایک قسم کی مجبوری کہہ سکتے ہیں۔ دراصل یہ ہمارا قومی مزاج ہے کہ ہم ناانصافی، حق تلفی، خامی و خرابی اور فرسودگی پر تحریر و تقریر میں اظہار افسوس کرتے ہیں لیکن انھیں دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اردو کی حمایت میں صرف آواز بلند کرنے والے لیکن اردو کے لئے کچھ نہ کرنے والے ہر عہد میں نظر آتے ہیں۔ اردو کے یہ نام نہاد خیر خواہ اگر خاموش ہی رہتے تو اس سے اردو کو کچھ زیادہ ہی فائدہ پہنچتا۔

اردو کی مخالفت تنگ نظر فرقہ پرستوں اور سیاست دانوں نے ہی نہیں کی بلکہ اس کارواں میں ہندی کے بہت سے صحافی، شاعر و ادیب، ہندی زبان و ادب کے مورخین اور ماہرین لسانیات بھی شامل ہیں ان کی تمام تر کوشش یہ رہی ہے کہ اردو کو ہندی کا حریف بنا کر پیش کیا جائے کسی نے اردو کو ہندی کی ایک شیلی (اسلوب) کہا اور کسی نے اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنی زبان کے فروغ کی کوشش کرنا، اس کی اہمیت و افادیت پر اظہار خیال کرنا معیوب نہیں لیکن یہ تصور کہ کسی زبان کے وجود کو ختم کرنے سے ہی اپنی زبان ترقی کر سکے گی، بہت ہی غلط تصوّر ہے۔ ماہرین لسانیات کو اردو اور ہندی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کسی زبان کی تشکیل و ارتقا میں تاریخ و تہذیب کی کیا اہمیت ہے۔ اس سے انھیں غرض نہیں۔ یہ پہلو، ان کے دائرۂ مطالعہ سے خارج ہے۔ اردو کی مخالفت کرنے والے ماہرین لسانیات نے سارا زورِ قلم یہ ثابت کرنے پر صرف کر دیا کہ اردو کوئی زبان نہیں ہے۔

اردو کی مخالفت کرنے والوں نے حقائق کو جس طرح مسخ کر کے پیش کیا اور استدلال کا جو غیر علمی طریقہ اختیار کیا اس سے متاثر ہو کر میں نے اپنے تاثرات تحریر کیے اور چند اجزا مضامین کی شکل میں شائع کرائے۔ پہلا مضمون "اردو سے ہندی تک" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کے بعد اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مضامین شائع ہوئے اسی زمانہ میں ہندی کے رسالہ "دھرم یگ" میں اردو اور ہندی کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ میں نے بھی ہندی میں ایک مضمون "ہندی اور اردو دو دو دھی نہیں سہیوگی بھاشائیں ہیں" کے عنوان سے لکھا اردو اور ہندی مخالف نہیں معاون زبانیں۔ اسی مضمون

کا اردو ترجمہ ہے ۔ اسے اردو میں منتقل کرتے ہوئے کچھ ترمیم کی گئی ہے اور ایک نثری تقریر کو ترمیم کے ساتھ اس میں شامل کر دیا گیا ہے ۔

جناب نسیم انہونوی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس تالیف کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی ۔

گورنمنٹ کالج کیمپس
سیہور (بھوپال)　　　　عبدالودود
۱۲ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء

اُردو سے ہندی تک

اب جب کہ ایک طبقہ اردو زبان کو ماننے ہی سے انکار کر رہا ہے ہمارے سامنے بہت سے مسائل بھی آ گئے ہیں۔ اردو ایک نئی تحریک کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہے اخبارات و رسائل کے ذریعہ اس غیر منطقی اور سطحی خیال کی ترویج کر کے لوگوں کے ذہن پراگندہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یشپال، ناگر اور ان کے ہمنوا اُردو کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ایک طرف قومی یکجہتی کی بات کی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اردو کو اپنا رسم الخط چھوڑ کر دیوناگری رسم الخط اپنا لینا چاہیئے اس سے قومی یکجہتی میں مدد ملے گی۔ تہذیب کے سرسبز و شاداب پودے کی ایک خوبصورت شاخ کاٹ دیجئے اور کہیئے دیکھئے کتنا خوبصورت پودا ہے۔ اردو کے لئے دیوناگری رسم الخط تجویز کرنے والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسم الخط بدل دینے سے زبان کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ ابھی تو رسم الخط تبدیل ہی نہیں کیا گیا اور آپ نے اردو کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ رسم الخط تبدیل ہو جانے کے بعد تو آپ شاید اردو ہندی کی بحث میں پڑنا بھی پسند نہیں کریں گے آپ کا واضح اعلان ہو گا کہ اُردو

ہندی میں ضم ہو چکی ہے۔

بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اردو اور ہندی میں کوئی فرق نہیں قواعد ایک ہی ہے جملوں کی ساخت ایک سی ہی ہے اور اردو ہندی کے افعال بھی ایک ہی ہیں۔ یہ چند دلیلیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں کہ اردو و ہندی الگ الگ زبانیں نہیں بلکہ ایک زبان ہیں اردو رسم الخط فضول سا ہے اور اسے ناگری رسم الخط اپنا لینا چاہیئے۔ رسم الخط کی تبدیلی سے اردو کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے سیکڑوں سال کی روشن تاریخ ختم ہو جائے گی۔ اردو کی ترقی و بقا کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جائے گی۔

ہندی کے پریمی اردو کو ہندی سے مختلف نہیں سمجھتے اسے ہندی کا ہی ایک روپ کہہ دیتے ہیں افسوس کہ اردو والوں نے اس موضوع پر مفصل اظہار خیال نہیں کیا۔ ہندی کے مشہور لکھنے والوں کے اس خیال کو چیلنج نہیں کیا۔ ہم اردو کی انفرادیت اس کی اپنی اہمیت اور خوبیوں کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن ہندی سے اردو کس قدر مختلف ہے اس کا تاریخی جائزہ نہیں لیتے ضرورت ہے کہ ہمارے ان خیالات سے ہندی والے واقف ہوں انھیں اپنی باتیں سمجھانے کی کوشش کریں، لیکن کس طرح ہندی کے اخبارات و رسائل ہمارے خیالات کی تشہیر تو کر ہی نہیں سکتے ان سے یہ امید فضول ہے یہ کام اردو ہی کے اداروں سے متعلق ہے۔ ہندی میں مختصر رسالے شائع کئے جائیں اور انھیں مفت تقسیم کیا جائے یا کم قیمت پر فروخت کیا جائے۔ ناگری رسم الخط میں اردو سرمایہ منتقل کرنے والے ادارے بھی اس کام کی پہل کر سکتے ہیں۔

آیئے! ذرا ہم دیکھیں کہ ہندی کی عمر کتنی ہے موجودہ ہندی شاعری

کی تاریخ سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ نثر کی عمر شاعری سے کچھ زیادہ ہے۔ جدید اردو نثر اور ہندی نثر کا آغاز فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہے ہندی نثر کی عمر ہندی شاعری سے پچاس سال زیادہ قرار دی جا سکتی ہے اس طرح ہندی کی عمر ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ میرا خیال ہے ہندی والے اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اودھی اور برج کا سرمایۂ شاعری ہندی شاعری تصور کر لیا گیا ہے۔ ہندی والے اردو کے دکنی ادب پر بھی دعویٰ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ان کا دعویٰ تسلیم ہی کر لیجئے اور ان سے پوچھئے جناب قلی قطب شاہ، ملا وجہی ہندی کے شاعر نثر نگار ہیں۔ امیر خسرو ہندی کے شاعر ہیں۔ انشاء اللہ خاں ہندی کے نثر نگار ہیں لیکن آپ ولی، میر، سودا، آتش، ناسخ، مصحفی، جرأت، میر حسن، دیا شنکر نسیم، انیس، و دبیر، غالب، مومن اور ذوق و ظفر کو بھی ہندی شاعر کیوں نہیں تسلیم کرتے۔ انشا کی رانی کیتکی تو ہندی نثر کا نمونہ قرار دی جاتی ہے۔ لیکن انشاء کی شاعری ہندی شاعری کیوں نہیں مان لی جاتی۔ اس کا جواب نہیں دیا جائے گا اور خاموشی اختیار کر لی جائے گی۔

ہندی کے ادیب اور نقاد ایک زمانے سے اس فکر میں ہیں کہ ہندی کی قدامت ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ برج اور اودھی کے شاعر، ہندی کے شاعر تصور کیے جاتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ برج اور اودھی کا ہندی سے کوئی تعلق نہیں۔ برج اور اودھی میں جو ادب ملتا ہے آج ان کی کلاسیکی حیثیت ہے اسے ہندی ادبیات کا جز تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ آج بھی برج اور اودھی بولی جاتی ہیں ان بولیوں میں آج بھی لوک گیت لکھے جاتے ہیں۔ اگر یہ کہوں کہ لوک گیت کہے جاتے ہیں اور سینہ بہ سینہ محفوظ ہو جاتے ہیں تو

زیادہ مناسب ہوگا کیا آج برج اور اودھی میں کی جانے والی شاعری، ہندی شاعری کا ایسا ہی جز مان لی جائے گی جیسا کہ سور اور تلسی کی شاعری؟ کیا آج برج اور اودھی نثر میں ایک مضمون لکھا جائے تو اسے ہندی کے مشہور جرائد میں جگہ مل جائے گی؟ یہ کبھی بھی گوارا نہیں کیا جائے گا اس کا بھی کوئی مدلل جواب آپ کو نہیں ملے گا۔

آج بھی سورداس کی برج اور تلسی داس کی اودھی موجود ہے۔ ہندی کے سرمایۂ شاعری میں جن بولیوں کی شاعری شامل کی گئی ہے وہ بولیاں آج بھی موجود ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس ہندی کو بین الریاستی زبان کہا جاتا ہے اس کا ایک رنگ ایک روپ نہیں ہے اس کی انفرادیت مشتبہ ہے۔

اردو ہندی سے صدیوں پرانی زبان ہے اردو نے بولیوں پر کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ہندی شاعری کا آغاز اس وقت ہوا جب اردو ترقی کی بلندی پر پہنچ چکی تھی۔ ولی کی زبان پر آج کی زبان کا دھوکا ہوتا ہے۔ میر حسن کی مثنوی۔ سحرالبیان کے محاورات روزمرہ اور سلیس انداز بیان نے اسے قبول عام بخشا مثنوی سحرالبیان کے بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ ترتیب بدل دینے سے وہ عام فہم جملے بن جاتے ہیں۔ ولی سے غالب تک لاتعداد اردو شعرا سرمایۂ شاعری میں بیش بہا اضافہ کر چکے تھے۔ ولی سے پہلے دکن میں اردو شاعری اور نثر کافی ترقی کر چکی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں نظم جدید کی ابتدا کے ساتھ اردو شاعری ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ افسوس کہ آج اردو کی سیکڑوں سال کی تاریخ کے روشن صفحات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو عہد اردو کا عہد جدید کہا جاتا ہے اس عہد میں ہندی پیدا ہوئی وہ ہندی جو آج راشٹر بھاشا ہے۔

بھارتیندو، ہریش چندر ہندی کے مشہور نثر نگار صحافی اور شاعر تھے

وہ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۵ء میں ۳۵ سال کی کم عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ہندی کا جو روپ ہم دیکھ رہے ہیں وہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مہاویر پرساد دویدی کے عہد میں ہندی بہت کچھ نکھر چکی تھی۔ ہندی کا وجود کس قسم کی ذہنیت کا نتیجہ تھا یہ کہنے کی ضرورت نہیں تاریخ گواہ ہے کہ وہ زبان جو اردو کہی جاتی ہے سیکڑوں سال پہلے شمال، دکن، بہار، بنگال اور گجرات میں نشوونما پا چکی تھی۔ سیاسی حالات نے دیوناگری رسم الخط میں ایسی اردو لکھنے والوں کو جنم دیا جنھیں عربی و فارسی الفاظ سے دشمنی تھی۔ کوشش کی گئی کہ فارسی و عربی کے عام فہم الفاظ کی جگہ سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ کو دے دی جائے گی۔

بھارتیندو کا زمانہ غدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اس وقت تک ہندی نثر کا چلن ہو چکا تھا ہندی شاعری وجود میں نہیں آئی تھی اب بھی برج کی حکمرانی تھی۔ بھارتیندو کو یہ بات کھٹکنے لگی تھی کہ شاعری اور نثر نگاری میں دو زبانوں کا استعمال کسی طرح مناسب نہیں۔ یکم دسمبر ۱۸۸۱ء کے بھارتیندو مترا میں بھارتیندو نے کھڑی بولی کے چھند شائع کرائے۔ انھوں نے ایک خط بھی شائع کیا۔ خط کے یہ جملے تو دیکھئے کس قدر ڈرتے ڈرتے بھارتیندو اپنی مجتہدانہ کوشش کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

"پرچلت سادھو بھاشا (رائج عوامی زبان) میں کچھ کویتا بھیجی ہے دیکھئے گا کہ اس میں کیا کسر ہے اور کس اپائے (ترکیب) کے اولمبن (استعمال) کرنے سے اس میں کاویہ سوندریہ (شاعرانہ حسن) بن سکتا ہے اس سمبندھ (معاملہ) سادھارن (عوام) کی سمتی (رائے) گیات (معلوم) ہونے سے ایسا پرشرم (محنت) کیا جائے گا۔"

دیکھا آپ نے، اس زمانے میں جب کہ اردو سیکڑوں سالوں کی تاریخ بنا چکی تھی۔ ہندی شاعری گھٹنے گھٹنے چل رہی تھی۔ بہت سے لوگ برج کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے۔ برج ہی اصل ہندی سمجھی جاتی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا اگر برج سے رشتہ ٹوٹ گیا تو ہندی کا نام ونشان ہی مٹ جائے گا۔ ہندی کی تحریک نے بہر حال برج کا نام ونشان تو مٹا ہی دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج برج بھاشا ایک ترقی یافتہ زبان ہوتی میتھلی کو ساہتیہ اکاڈمی نے ایک زبان تسلیم کر لیا ہے۔ برج کم از کم یہ مرتبہ تو ضرور حاصل کر لیتی۔

بھارتیندو کی منظوم تخلیقات ہندی کا ابتدائی نمونہ ہیں ان کے خط کے اقتباس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس دور میں ہندی کا ارتقا کس طرح ہو رہا تھا۔ بھارتیندو کی چند کریاں دیکھ کر امیر خسرو کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

نئی نئی نت تان سنا دے
اپنے جال میں جگت پھنسا دے
نت نت ہمیں کرے بل سون[1]
کیوں سکھی سجن، نہیں کانون (قانون)

سب گردجن کو برا بتا دے
اپنی کھچڑی الگ پکا دے
بھیتر تتو نہ[2] جھوٹی تیجی (تیزی)
کیوں سکھی سجن نہیں انگریجی (انگریزی)

---

[1] کمزور [2] حقیقت۔ مواد

جس ہندی شاعری کا یہ ابتدائی نمونہ پیش کیا گیا ہے اس کی عمر ابھی سو سال کی بھی نہیں ہے۔ بھارتیندو کے عہد میں برج کی حمایت کرنے والے کم نہیں تھے وہ سنسکرت آمیز کھڑی بولی میں شاعری کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

وہ بڑی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے ان کے سامنے صدیوں کے ارتقا کا نتیجہ کھڑی بولی کا وہ نمونہ موجود تھا جسے اردو کہتے ہیں ان کے ذہن سنسکرت آمیز کھڑی بولی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اردو کا ارتقا فطری تھا اس زبان کی شیرینی کے مقابلے میں اس جدید زبان کی کامیابی مشتبہ تھی ان کا خیال غلط نہ تھا آج بھی اپنی مادری زبان ہندی کہنے والے بہت سے لوگ ہندی شاعری کے مقابلے میں اردو شاعری سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ میں چٹخارہ دار غزلوں کی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ اردو شاعری کے بہترین انتخابات بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ مقبولیت اردو ہی کو حاصل ہوئی ہے سنسکرت آمیز ہندی کو نہیں۔

اردو کی مخالفت تاریخی حقائق سے چشم پوشی ہے حقائق سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کا اعتراف نہیں کیا جاتا زبردستی کھینچ تان کر کے ہندی کی تاریخ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دکن کی اردو، شمال کی اردو، امیر خسرو کی شاعری، انشائی نثر (رانی کیتکی) اردو کے مختلف روپ ہیں۔ ہندی کے نہیں سورتلسی اور برج (اودھی کے دوسرے شاعر برج اور اودھی کے شاعر ہیں نہ کہ ہندی کے ان زبانوں کا ہندی سے کوئی لگاؤ نہیں

لہ میرا خیال ہے کہ برج اور اودھی کو بولی نہ کہتے ہوئے زبان کہنا چاہیئے ان کا سرمایہ شاعری بڑا جاندار ہے ان کی شاعری کی تاریخ ہے ہندی کے آغاز نے ان کی ادبی حیثیت ختم کر دی۔

۴۔ ہندی کی عمر ایک سو پچاس سال سے زیادہ نہیں۔ ہندی اردو کی ایک دوسری شکل ہے اس کے وجود کی انفرادی حیثیت نہیں ہے۔

کھڑی بولی تحریک (ہندی) کا آغاز

اور متضاد رجحانات

کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک کا آغاز وارتقا اور اس زمانہ میں ہندی سے پیدا شدہ مسائل وہندی کے کٹر حامیوں کا رویہ ہمارے لئے بڑی دلچسپی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ آج کی فضا اور اس زمانہ کی فضا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس زمانہ میں اردو کی مخالفت ضرور کی گئی اور تعصب کو بھی ہوا دی گئی لیکن ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو لسانی اور تاریخی حقیقتوں کو جھٹلانا گناہ عظیم سے کم نہ سمجھتے تھے۔ ان کی صاف گوئی اور بیباکی ہمیں متاثر کرتی ہے یہ صاف گو اردو کے مصنف نہ تھے بلکہ ہندی ہی کے شاعر وادیب تھے۔ آج ہندی کا شاید ہی کوئی ایسا مصنف ہو جو اردو کے فروغ کا حقیقی ہی خواہ اور اردو کی اہمیت کا معترف ہو۔ اس زمانہ میں ایسے روشن خیال افراد نظر آتے جو ماہر لسانیات نہ بھی لیکن زبان کے نظری ارتقا کو جس طرح ان لوگوں نے سمجھا تھا ویسا ہندی زبان وادب کے مشہور علماء ومورخین نہیں سمجھ سکے۔ اگر سمجھا بھی تو اسے

نظر انداز کیا اور تعصب، تنگ نظری و جذباتیت کا شکار ہوئے۔

کھڑی بولی (ہندی) میں نثر نگاری کا آغاز تو فورٹ ولیم کالج میں ہو چکا تھا لیکن شاعری کا آغاز بھارتیندو ہریش چندر کے عہد میں ہوا۔ اس زمانہ میں برج کی بڑی اہمیت تھی۔ اودھی کا رنگ بھی پھیکا نہ پڑا تھا۔ ان زبانوں میں شاعری کی سیکڑوں سال پرانی روایات تھیں۔ کچھ مصنفین کی تحقیقات کو دنیا کی مختلف زبانوں کے کلاسیکی ادب کے مدمقابل رکھا جا سکتا ہے۔ اگر ان زبانوں کو بولی بنانے سے بچایا گیا ہوتا تو آج شمالی ہند کا لسانی نقشہ کچھ اور ہی ہوتا عوام اور زبان کے درمیان جس رشتہ کی بات کی جاتی ہے وہ حقیقت نظر آتی۔ افسوس کہ اودھی اور برج کا ادب آج "آثار قدیمہ" بن کر رہ گیا ہے۔

ابتداً کھڑی بولی میں شاعری کی مخالفت محض مخالفت برائے مخالفت نہ تھی یہ مخالفت بڑی مدلل تھی۔ مخالفین کا نظریہ تاریخی اور لسانی حقائق پر مبنی تھا ــــــ بھارتیندو ہریش چندر کے عہد کے شعرا برج سے رشتہ توڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بھارتیندو اور ان کے ہمنوا کھڑی بولی میں شاعری کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ بھارتیندو نے کھڑی بولی میں تجربے کئے تھے لیکن ان کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ ہندی کے جدید ناقدین ان کے تجربے کو کامیاب تجربہ کہتے ہیں لیکن ان کے زمانہ کے بہت سے لوگ ان کے تجربہ کو کامیاب تجربہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

کھڑی بولی اور برج کے حامیوں کے نظریات نے معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ معرکہ بڑا دلچسپ تھا۔ اس سے کھڑی بولی اور برج کے حامیوں کے نظریات پر روشنی تو پڑتی ہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اردو کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ کھڑی بولی کے حامی شری دھر پاٹھک اور ایودھیا پرساد کھتری تھے۔

برج کے حامی پرتاپ نرائن مشرا اور رادھا چرن گوسوامی تھے ۱۸۸۶ء میں کالاکانکر سے شائع ہونے والے اخبار "ہندوستان" میں اس موضوع پر زوردار بحث ہوئی۔ ادارۂ "ہندوستان" کھڑی بولی کے حامیوں کے ساتھ تھا۔ برج کے حامی کھڑی بولی میں شاعری کے تجربات کی ناکامی محسوس کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کھڑی بولی کا اردو روپ زیادہ رائج ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اگر کھڑی بولی میں شاعری کی گئی تو اس کی جگہ اردو ہی رائج ہو گی۔

برج کے حامی رادھا گوسوامی نے ۱۱ر نومبر ۱۸۸۶ء کے ہندوستان میں ایک خط شائع کرایا اس کے یہ جملے[1] دیکھیے۔

"آج کل کئی بھائیوں نے اس بات کی تحریک شروع کی ہے کہ جیسی ہندی میں نثر لکھی جاتی ہے ویسی ہندی میں شاعری بھی کی جایا کرے۔ حقیقت میں زبان کی دو ہی شکلیں ہیں، نثر اور نظم جب کہ ہندی نثر کی اتنی ترقی ہوئی ہے تب ہندی شاعری کی بھی ترقی زیادہ نہیں تو کچھ تو زیادہ ہونی چاہیئے۔ اس نظریہ کی حمایت کرنے والوں سے ہماری ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ ہماری موجودہ ہندی جو ہے وہ برج بھاشا، کانیہ کبجی، شورسینی بیسواڑی، بہاری، انتر دیدی، بندیل کھنڈی وغیرہ کئی زبانوں کے الفاظ سے بنی ہے، تھوڑے دن پہلے ہندی کا کوئی خاص روپ نہ تھا اب اس کو ایک آزاد زبان بھی کہہ سکتے ہیں لیکن حقیقتاً برج بھاشا وغیرہ سے اس کا اختلاف نہیں اب اس طرح کی شاعری کرنے میں کئی دشواریاں ہیں۔ پہلی تو زبان کے کوت ستو یا وغیرہ عروض میں ایسی زبان کا نباہ

---

[1] اصل عبارت کا ترجمہ

نہیں ہو سکتا اور اگر کیا بھی جاتا ہے تو بہت بھدا معلوم ہوتا ہے۔ تب زبان کے مشہور عروض کو چھوڑ کر اردو کے بیت، شعر، غزل وغیرہ کی تقلید کرنی پڑتی ہے لیکن فارسی الفاظ ہونے کی وجہ سے اس میں بھی ادب (ادبی حسن) نہیں آتا۔ پھر جب شاعری میں دل کو متاثر کرنے والی خوبی نہیں ہوتی تب شعر کی تخلیق بیکار ہے۔ دوسری (بات) یہ کہ چند کے وقت سے بابو ہریش چندر تک جو شاعری ہوئی ہے وہ سب برج بھاشا میں ہوئی ...... اس کے ادب کی جیسی ترقی ہے سنسکرت کے علاوہ اور کسی زبان کے ادب کی اتنی ترقی نہیں ...... اتنے بڑے قیمتی جواہرات کے خزانے کو چھوڑ کر کنکر پتھر چننا ہندی کے لئے کچھ فخر کی بات نہیں۔ اس برج بھاشا کے خزانے کو ہندی سے نکال دینے سے پھر ہندی میں کیا سرمایہ فخر رہ جائے گا ......

تیسری (بات) ہماری شاعری کی زبان ابھی مری نہیں ہے جیتی ہے تب پھر اس میں کیوں نہ شاعری کی جائے۔ چوتھی (بات) سنسکرت ڈراموں میں ادبی رنگا رنگی کے لئے سنسکرت، پشاچی[1]، پراکرت وغیرہ کئی زبانوں کا استعمال ہوتا تھا۔ پھر ہم بھی کئی زبانوں کا استعمال کریں تو کیا چوری ہے پانچویں (بات) اس زمانے میں ہمارے سب سے زیادہ، آمادہ ہو کر یہ سماجی اور مشنری وغیرہ نے بھی زبان و ادب کی روایات اور بغیر عروض جانے شاعری کرنے کی ابتدا کر کے اپنے مضحکہ (اڑوانا) کے علاوہ شاعری کی بھی الٹے چھرے سے خوب حجامت کی ہے اور اس معمولی شاعری سے اپنے سماج کا بھی خوب منہ نیچا کیا ہے بس یہ کھڑی بولی کی شاعری ذلیل[1] نہیں تو

---

[1] اصل ہندی عبارت میں پشاچی لکھا ہے۔ پشاچ ذلیل کو کہتے ہیں۔

بدہیئت[1] ضرور سماج میں مانی جائے گی (ان سب) وجوہات سے
ہم کھڑی بولی کی شاعری کے مخالف ہیں۔ ہمارے مصنف[2] نے جو
اس کی مثال میں شاعری (کی مثال) دی ہے وہ مکمل طور پر خالص نہیں
ہے جس سے وہ نمونے کے لائق نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر نثر اور
شاعری کی ہندی میں کچھ فرق ہے تو اتنا ہی کہ ایک قدیم زبان
(رہے) اور ایک جدید زبان (رہے) اس (دو طرح کی زبان کی
روایت رہنے میں ہندی کی بڑائی ہے کمی نہیں۔ ایسی شاعری کے
کوشاں اگر زبان کے جھگڑے میں نہ پڑ کر ایک کام کر دیں تو بہتر
ہو۔ ہماری زبان میں جو شاعری ہے وہ سب پرانے طرز کی ہے
ہمارے جدید شاعر، جدید دور کے مطابق نئے نئے خیالات کو لیکر
نئے نئے موضوعات پر شاعری کریں اور یورپ کے ادب کا زبان
میں ترجمہ کریں تو بہت بہتر ہے۔"

یہ خط برج کے حامیوں کے نظریات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس سے یہ
اندازہ ہوتا ہے کہ برج کے حامی، برج کے سرمایۂ ادب پر کس قدر فخر
کرتے تھے انھیں امید نہیں تھی کہ کھڑی بولی کے شاعر برج اور اودھی
کے عظیم شاعروں کا مقابلہ کر سکیں گے اسی لئے وہ کھڑی بولی کی شاعری
کو برج کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی درجہ کی شاعری سمجھتے تھے۔ وہ اس

---

[1] اصل ہندی عبارت میں "ڈاکنی" لکھا ہے۔ ڈائن چڑیل کے لئے استعمال ہوتا ہے
اس سے بدہیئت کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

[2] "ہندی کا یدیہ" کے مصنف۔ ایودھیا پرساد کھتری

سے بھی پریشان تھے کہ کھڑی بولی میں شاعری کرنے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اردو سے قریب ہو جاتی ہے۔

اس نظریہ کی مخالفت کھڑی بولی کے حامیوں نے کی ۲۰ر دسمبر ۱۸۸۷ء کے ہندوستان میں شری دھر پاٹھک کا ایک خط شائع ہوا۔ انھیں رادھا چرن گوسوامی کے نظریات سے اتفاق نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب کھڑی بولی میں نثر لکھی جا سکتی ہے تو شاعری بھی کی جا سکتی ہے وہ یہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ برج بھاشا کے عروض کا استعمال کھڑی بولی میں لازمًا ہی کیا جائے۔ پھر بھی ان کا خیال تھا کہ کھڑی بولی میں شاعری قدیم طرز پر کی جا سکتی ہے۔ وہ اس نظریے سے متفق نہیں تھے کہ اب تک برج میں شاعری ہوتی رہی ہے اس لئے ہمیشہ ہی ہوتی رہے شری دھر پاٹھک درمیانی راہ نکالنا چاہتے تھے تاکہ دونوں ہی مطمئن ہو جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ شاعری دونوں زبانوں میں کی جائے لیکن وہ کھڑی بولی میں شاعری کی ضرورت زیادہ محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے کھڑی بولی کو برج پر فوقیت دی ان کا خیال تھا کہ برج ایک محدود زبان ہے۔ جو ہمالہ کی ترائی سے وندھیاچل کی تلہٹی تک اور پانی پت سے پٹنہ تک ہی سمجھی جاتی ہے۔ مراٹھوں اور مدراسیوں کے لیے برج ایسی ہی دشوار ہے جیسی ان کی زبان ہمارے لیے۔

شری دھر پاٹھک نے اپنے اس خط میں اردو کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ کھڑی بولی کے ہندی روپ کے پرزور حامی تھے لیکن اردو کی اہمیت اور ہندی واردو کی مشترک خصوصیات کا انھیں احساس تھا ان کا خیال تھا کہ

"در اصل ٹھیٹ ہندوستانی جو اردو کہلاتی ہے اور کھڑی بولی ہندی میں کچھ بھی فرق نہیں ہے - فرق اس وقت ہو جاتا ہے جب اردو میں زیادہ تر فارسی کے اور ہندی میں زیادہ تر سنسکرت کے غیر مروجہ الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے -" ان جملوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سنسکرت کے غیر مروجہ الفاظ کی آمیزش سے ہندی اور اردو کا فرق بڑھتا گیا جب ہندی میں یہ بحث چل رہی تھی کہ شاعری برج بھاشا میں ہو یا کھڑی بولی میں اردو فارسی و عربی الفاظ سے بوجھل اسلوب اور سادہ و سلیس اسلوب کی مختلف منزلوں سے گزر چکی تھی جب کھڑی بولی ہندی جنم لے رہی تھی اردو میں سادہ سلیس اور عام فہم زبان استعمال کرنے کی تحریک چل رہی تھی ۔

ایودھیا پرساد کھتری ہندی کے حامی تھے - وہ اردو کو ہندی کی شیلی (اسلوب) کہتے تھے - غالباً اردو کو ہندی کی شیلی کہنے کی ابتدا کھتری جی سے ہی ہوئی - انھوں نے اسلوب کے لحاظ سے کھڑی بولی کی تقسیم کی ہے اور اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے - ٹھیٹ ہندی پنڈتی ہندی ، مولوی ہندی ، یوریشین ہندی اور منشی ہندی --- وہ منشیوں کے اسلوب کو زیادہ پسند کرتے تھے ان کی تصنیف "کھڑی بولی کا پدیہ" دو حصوں میں شائع ہوئی - انھوں نے اس میں ان اسالیب کے نمونے بھی پیش کیے - اردو کو ہندی کا اسلوب کہنے کے باوجود وہ اس کو بہت بڑی اہمیت دیتے ہیں ۔

"یہ کون کہتا ہے کہ اردو کوئی دوسری چیز ہے - سچ تو یہ ہے کہ اردو ہندی بھاشا کی ایک متبدل صورت ہے .... جب ہم

ہندؤں نے اس کی بے عزتی کرکے اسے چھوڑ دیا تب مسلمانوں نے اس کی غربت پر رحم کرکے اسے اپنے ملک کے لباس اور زیوروں سے اس کی آرائش کی اس کا دوسرا نام اردو رکھا۔
مقصد یہ کہ اس عورت کا خاندان اور گوتر ہمیشہ ایک ہی رہا پر اس کا رنگ روپ اور بھیس البتہ پلٹتا گیا۔[۱]

ایودھیا پرساد کھتری مولوی ہندی (فارسی آمیز اردو) اور پنڈتی ہندی (سنسکرت آمیز ہندی) کے مقابلے میں منشی ہندی کے حامی تھے منشی ہندی سنسکرت اور فارسی کے غلبہ سے آزاد عام فہم زبان ہے اس زمانہ میں جو مصنوعی زبان (ہندی) وجود میں آرہی تھی انھیں پسند نہ تھی ان کا خیال تھا کہ عربی و فارسی کے الفاظ جان بوجھ کر الگ کرنے اور ان کی جگہ سنسکرت کے الفاظ استعمال کرنے سے ہندی وجود میں آئی۔ لکھتے ہیں :-

" پنڈت جی برابر سنسکرت پڑھاتے آئے ہیں سنسکرت مردہ زبان (Dead Language) ہے لیکن پنڈت جی اسی میں شاستراِرتھ (مباحثہ) اور شاعری کریں گے عوام ان کی لکھی کتابیں نہ سمجھیں یہ ان کی کوشش ہمیشہ رہی۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے رزق کی مضبوطی اسی میں ہے۔ للولال جی جو جدید ہندی کی پہلی کتاب کے مصنف ہیں برہمن تھے انہوں نے ایک مصنوعی اسلوب ایجاد کیا، جس میں عربی و فارسی الفاظ کی جگہ پر سنسکرت اور برج بھاشا کے الفاظ

---

[۱] منقول از کھڑی بولی کا اندولن - از شتی کنٹھ مشر ص ۱۶۷

قصداً رکھے گئے اور اسی پریم ساگر کے اسلوب کی لوگ تقلید کرنے لگے اور اسی اسلوب کو جدید ہندی سمجھنے لگے [1]

اگر ایودھیا پرساد کھتری کے نقطۂ نظر سے اتفاق کیا جاتا اور ان کے پسندیدہ منشی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہوتا تو اردو اور ہندی کا مسئلہ ختم ہو گیا ہوتا اس زمانہ میں اردو کے اہل قلم کا رجحان سہل پسندی کی طرف تھا ہمیں یقین ہے کہ اگر مفاہمت کا ماحول پیدا کیا گیا ہوتا اور ہندی کے حامی کٹرپن چھوڑ کر راہ اعتدال اختیار کرتے تو اس زمانہ کے اردو کے مصنفین ان کے ساتھ ہوتے۔ پھر مسئلہ رسم الخط کا ہی رہ جاتا ہے ایسی حالت میں دونوں ہی رسم الخط جاری رہ سکتے تھے۔ ہمیں ہندوستانی کا جو تصور مہاتما گاندھی نے دیا تھا وہ بہت پہلے ہی عملی صورت اختیار کر گیا ہوتا۔ آج یہ دونوں ہی زبانیں ایک ہوتیں افسوس کہ اس نظریہ کی قدر نہیں کی گئی۔

برج اور کھڑی بولی کے حامیوں کی اس کشمکش کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہے اس سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندی کس طرح اور کن حالات میں عالم وجود میں آئی۔ برج کے حامی کھڑی بولی (ہندی) میں شاعری کی ناکامی کا جو اندازہ لگاتے تھے اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ برج کے مقابلہ میں کھڑی بولی کی بے مایگی کا انھیں احساس تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑی بولی کا اردو ادب بہت ترقی کر چکا تھا اور اس نئے اسلوب میں شاعری کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔

---

[1] کھڑی بولی کا اندولن از شتی کنٹھ مشر ص ۱۶۸

اردو اور دیوناگری رسم الخط - ایک جائزہ

مہدی نظمی بہار تیندو ہرش چندر سے قبل

اب تک اردو اور ہندی کے مسئلے پر جو باتیں ہوئی ہیں وہ جذباتیت پر زیادہ مبنی ہیں - اسے جذباتیت کہیئے یا تنگ نظری بات ایک ہی ہے اس مسئلے کو سیاست کی عینک سے بھی دیکھا گیا اور اسے فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی - اس پر زور دیا گیا کہ اردو ہو یا ہندی دونوں ہی زبانیں ترقی کریں اس کا خیال نہ رہا - اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے والوں نے اس کے تہذیبی ورثہ کی "شدھی" کرنے کا پیغام بانگ دہل دیا - مولوی عبدالحق نے جب کھڑی بولی کو گنوار بولی کہا تو ہندی کے حامی چراغ پا ہوئے بہرحال بات سے بات بنی نہیں بلکہ بگڑتی گئی - ہم اردو والوں نے بھی اپنا مقدمہ پیش کرنے کی باسلیقہ کوشش نہیں کی تہذیبی اتحاد، مشترک تہذیب کی دہائی دیتے رہے اور بس -

ہمارے ماہرین لسانیات نے اور مورخین زبان و ادب نے فارسی

رسم الخط کے دامن کو بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھا اور یہ نہ دیکھا کہ زبان رسم الخط
کی محتاج نہیں ہوا کرتی۔ یہ صحیح ہے کہ فارسی رسم الخط اختیار کرنا کوئی غیر فطری
بات نہ تھی۔ لیکن ہم نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے وہ یہ کہ دیوناگری رسم الخط
کو نظر انداز کیا۔ اس رویہ نے اردو کو نقصان پہنچایا۔ زبان داں اور غیر زبان
داں، معیاری اور غیر معیاری کی تفریق نے اردو پر ضرب کاری لگائی۔ شرفائے
لکھنؤ اور دلی کے محاورے کو ہی سارے ہندوستان کے لئے لازمی قرار دیا گیا
شرفاء شہر ہی زبان کے مالک بن بیٹھے ایک ہی شہر کے محلوں اور طبقوں میں زبان
اور زبان دانی کے معیار کی تفریق کی گئی اور فصیح و غیر فصیح کی دیوار حائل کر دی
گئی۔

ایسی صورت میں دیوناگری میں لکھی جانے والی تخلیقات پر نظر ڈالنے کی ہمت
کس کو تھی۔ للولال جی پریم ساگر کی تمہید میں اردو کو مسلمانوں کی زبان (یامنی بھاشا)
کہا ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ ترجمہ "دلی اور آگرہ کی کھڑی بولی" میں کیا
ہے۔ ان کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں۔ ہندوؤں نے بھی اس زبان کو اپنایا اور
تخلیقات شعری کے لئے استعمال کیا۔ پھر بھی ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ انھوں نے ایسا
کیوں کہا؟ کیا اسے سیاسی مصلحت یا تنگ نظری کہیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔
ان کے عہد تک اردو ادب کی تاریخ پر مسلمان ہی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں زبان
کا جو معیار مقرر کیا گیا تھا وہ بھی اس کے دائرے کو محدود بنانے میں معاون ہوا۔
دہلی اور لکھنؤ (دیگر مراکز: رام پور، فیض آباد، بھوپال، حیدر آباد) سے دور
بھی اردو کو قبول عام حاصل تھا۔ اسے ہندو فنکاروں نے بڑی فراخدلی سے اختیار
کیا۔ ہمارے محققین نے تحقیق و جستجو ایک محدود دائرہ میں ہی کی ہے۔ جو کچھ فارسی
رسم الخط میں ملا اسے ہی اردو کہا گیا جب کہ انھیں یہ چاہیئے تھا کہ ذرا اور غائر

نظر سے جائزہ لیتے ۔ہم نے دیوناگری رسم الخط میں اردو کی بنیادیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ہندی زبان وادب کے مورخین نے جو تحقیق کی اس کے تانے بانے اردو سے جا ملتے ہیں لیکن اردو کی ہمہ گیر حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ محققین و مصنفین جھجکتے ہیں اسے عربی و فارسی کا اثر کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔

اردو کے مقابلے میں دیوناگری میں لکھی جانے والی تحریر کو ابتداً کھڑی بولی کہا گیا۔ ہندی اور اردو کے حامیوں نے کھڑی بولی کی طرح طرح سے تعریف کی ہے۔ کچھ اہل قلم شدت جذبات کا شکار ہوئے اور حد اعتدال سے گزر گئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کھڑی بولی کی اصل حیثیت کیا ہے اور کیسی کیسی غلطیاں اہل قلم سے سرزد ہوئی ہیں۔

کھڑی بولی کی اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے للولال جی، سدل مشر اور گلکرسٹ نے کیا ہے۔ للولال جی پریم ساگر میں لکھتے ہیں۔

" ایک زمانہ میں بیاس دیو کی تخلیق شریمت بھاگوت کے دسویں حصے کی کہانی، چتربھج مشر نے دوہے، چوپائی میں برج بھاشا میں لکھی۔ اس مدرسے کے لیئے مارکوئس ویلزلی گورنر جنرل کی حکومت میں جان گلکرسٹ کی اجازت سے سمبت ۱۸۶۰ میں للولال جی کوی برہمن گجراتی آگرے والے نے جس کی تلخیص سے مسلمانوں کی زبان دیامنی بھاشا چھوڑ کر دلی آگرے کی کھڑی بولی میں کہ نام پریم ساگر رکھا: [۵۱]

---

[۵۱] ہندی عبارت کا ترجمہ۔

سدل مشر لکھتے ہیں ۔

"اب بہت ۱۸۶۰ میں "ناسکیتو پاکھیان" کو جس میں چندروا تی کا قصہ ہے سنسکرت سے کوئی کوئی (کچھ لوگ) سمجھ نہیں سکتے اس لئے کھڑی بولی میں کہا ہے"[1]

جان گلکرسٹ نے ۔ دی ہندی اسٹوری ٹیلر ۔ (The Hindi Story Teller) ۔ دی اورینٹل فیبولسٹ ۔ (The Oriental Fabulist) ۔ دی ہندی رومن آرتھو ایپی گرافک الٹی میٹم The Hindi Roman Ortho Epigraphic ultimatum) میں کھڑی بولی کا ذکر کیا ہے یہ جملے دیکھئے ۔

"ان کہانیوں میں کئی کھڑی بولی یا ہندوستانی کے خالص ہندوی طرز کی ہیں"[2]

"مجھے افسوس ہے کہ برج بھاشا کے ساتھ کھڑی بولی کو چھوڑ دیا گیا۔ ہندوستانی کا یہ طرز خاص یا اسلوب اس زبان کے طالب علموں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا"[3]

"اصلی کھڑی بولی میں ہندوستانی کی قواعد پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور عربی و فارسی کو تقریباً چھوڑ دیا جاتا ہے"[4]

---

[1] ہندی عبارت کا ترجمہ ۔

[2] The Hindi Story Teller. ص ۔ ۔ منقول از گلکرسٹ اور اس کا عہد از محمد عتیق صدیقی ص ۱۲۹

[3] " The Oriental Tebu list. ص ۵

[4] "

"شکنتلا کا دوسرا ترجمہ کھڑی بولی یا ہندوستان کی خالص بولی۔ میں ہے Sterling Tongue of India۔ ہندوستانی سے مختلف یہ صرف اسی بات میں ہے کہ عربی و فارسی کا لفظ چھانٹ دیا جاتا ہے۔" [1]

"پریم ساگر کو جو ایک بہت ہی خوبصورت کتاب ہے للو لال جی نے ہمارے طالب علموں کے لئے ہندوستانی کی تعلیم کے لئے، برج بھاشا کی خوب صورتی و پاکیزگی کے ساتھ کھڑی بولی میں انگریزی ہندوستان کے ہندو عوام کے وسیع طبقہ کے حقیقی استفادے کے نظریہ سے لکھا ہے" [2]

ان جملوں پر غور کرنے سے پہلے مولوی عبدالحق اور راجہ شیو پرشاد کے یہ جملے بھی دیکھئے مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ:-

"کھڑی بولی کے معنی ہندوستان میں عام طور پر گنوارو بولی ہے، جسے ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ نہ کوئی خاص زبان ہے اور نہ زبان کی کوئی شاخ" [3]

راجہ شیو پرشاد نے لکھا ہے کہ:-

"یہ وہ زبان ہے جو صرف گنوار آبادی میں برداشت کی جا سکتی ہے" [4]

---

[1] منقول از گلکرسٹ اور اس کا عہد - از محمد عتیق صدیقی

The Hindi Roman Ortho Epigraphic ultimatum. P. 9

[2] " " P. 19

[3] رسالہ اردو - جولائی ۱۹۲۳ء

[4] انگریزی کا اصل جملہ یہ ہے:-

Which can be tolerated among rustic population

للولال جی نے اپنی زبان کو "دلی آگرے کی کھڑی بولی" کہا ہے سدل مشر نے بھی "ناسیکتو پاکھیان" کو کھڑی بولی میں منتقل کرنے کی وجہ صرف یہ قرار دی کہ اسے ونگ سنسکرت میں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ گلکرسٹ اس پر افسوس کرتے ہیں کہ برج بھاشا کے ساتھ کھڑی بولی کو نظر انداز کیا گیا وہ کھڑی بولی کو ہندستانی کا خاص طرز یا اسلوب کہتے ہیں۔ انھوں نے کھڑی بولی کی ساخت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"اصلی کھڑی بولی میں ہندوستانی کی قواعد پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور عربی و فارسی کو تقریباً چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

للولال جی، سدل مشر اور گلکرسٹ وغیرہ نے ہندوستانی کو ہی کھڑی بولی تصور کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ للولال جی اور سدل مشر وغیرہ عربی و فارسی الفاظ علیحدہ کر دیتے ہیں یہ ہندوستانی ہی اردو ہے۔

مولوی عبدالحق کھڑی بولی کو "گنوارو بولی" کہتے ہیں راجہ شیو پرشاد بھی انھیں کے ہم خیال ہیں۔ ہندی کے حامیوں نے گنوارو بولی اور گنوارو آبادی پر سخت اعتراضات کیے ہیں اس میں شک نہیں کہ "گنوار" یا "گنوارو" اچھے الفاظ نہیں ہیں ان کے معنی غیر تعلیم یافتہ ہی نہیں بلکہ غیر مہذب، ناشائستہ، اور اجڈ ہیں۔ ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مہذب شائستہ اور تعلیم یافتہ آبادی لازماً ہی اپنی بات چیت میں عربی و فارسی کے عام فہم الفاظ استعمال کرتی ہے۔ کھڑی بولی کی تحریک کی بنیاد ہی اس نظریہ پر تھی کہ عربی و فارسی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔ ایک ایسی زبان کا رواج ہوا جو اردو کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ تھی مولوی عبدالحق اور راجہ شیو پرشاد نے عربی و فارسی الفاظ سے خالی زبان کو گنوارو اس لئے کہا ہے کہ غیر تعلیم یافتہ افراد ہی

ایسی زبان استعمال کرتے ہیں۔

چندر بلی پانڈے نے کھڑی بولی کی بڑی دلچسپ تعریف کی ہے۔ یہ تعریف غالباً کھڑی بولی کو گنوار بولی کہنے والوں کے خلاف ردِ عمل کا نتیجہ بھی ہے وہ کھڑی کو کچا کہتے جیسے "چاول کھڑا رہ گیا"۔ چندر بلی پانڈے کا خیال ہے کہ کھڑا رہ گیا کے معنی ہیں کچا رہ گیا یا اصلی حالت میں رہ گیا۔ اس تشریح کا سہارا لے کر وہ کھڑی بولی کو فطری، ٹھیٹ یا خالص بولی کہتے ہیں۔ برج بھاشا کے حامیوں نے کھڑی بولی کو سخت، کرخت اور شیرینی سے خالی زبان کہا تھا۔ چندر بلی پانڈے اس سے متفق نہیں ہیں۔ وہ کھڑی بولی کو فطری، ٹھیٹ یا خالص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش نہیں ہوتی۔ انھوں نے کھڑی بولی کی جو وجہِ تسمیہ بیان کی ہے وہ ان کے تخیل کی غیر ضروری پرواز کا نتیجہ ہے۔

کھڑی بولی کی صوتی خصوصیات پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ کھڑی بولی میں افعال الف پر ختم ہوتے ہیں اسی وجہ سے اسے کھڑی بولی کہا گیا۔ بندیل کھنڈ میں اسے ٹھاڑ بولی اور مارواڑ میں ٹھاٹھ بولی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں اپنے مضمون "اردو مردانہ زبان ہے" میں لکھتے ہیں کہ:-

"اس بولی کے جتنے نام پائے جاتے ہیں ان میں کھڑے کا مفہوم پایا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی صوتیات کی مردانہ خصوصیت کا ان پڑھ لوگوں کو بھی احساس تھا۔"

چندر بلی پانڈے کا نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے لیکن یہ تو ماننا ہی پڑیگا کہ کھڑی بولی کو "خالص" بنانے کی کوشش کی گئی اور عام فہم فارسی و عربی

الفاظ کی جگہ سنسکرت الفاظ استعمال کئے گئے ۔

کھڑی بولی کی تحریک کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو کی مخالفت کی تحریک بھی شروع ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ اردو کی مخالفت کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک کا ایک اہم جز رہی ہے ۔ اردو رسم الخط کی مخالفت کی گئی اور ان تمام الفاظ کو زبان سے خارج کر دیا گیا جو سیکڑوں سال سے زبان زد عام تھے۔ ان عام فہم الفاظ کی جگہ سنسکرت الفاظ کا استعمال کیا جانے لگا ہمیں یہ بات ماننے میں تامل ہے کہ دلی اور آگرہ کے عوام کی زبان وہی رہی ہوگی جو للو لال جی یا سدل مشر نے استعمال کی ہے ۔سدل مشر نے اپنی زبان کو زیادہ تر لوگوں کی سمجھ میں آنے والی زبان کہا ہے ۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ آگرہ دلی کی زبان وہی تھی جو ان لوگوں نے استعمال کی تھی ۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کھڑی بولی عربی و فارسی الفاظ سے بالکل محفوظ رہی ہو ۔اردو جس کو انگریزوں نے ہندوستانی اور خود مسلمانوں نے ہندی یا ہندوی بھی کہا ہے ہندوستان کے تمام اہم شہروں میں سمجھی جاتی تھی ۔ کیا اس ہندوستانی میں عربی و فارسی الفاظ شامل نہیں تھے ۔ للو لال جی اور سدل مشر کے عہد سے سیکڑوں سال پہلے برج اودھی اور دوسری زبانوں میں عربی و فارسی الفاظ شامل ہو گئے تھے ۔شمالی ہندوستان کی تمام بولیوں میں ان الفاظ کی معقول تعداد ہے ۔ یہ الفاظ اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ انھیں الگ کرنا ممکن نہیں ۔شمال کے علاوہ جنوب میں مراٹھی اور شمال مغرب میں گجراتی میں یہ الفاظ کافی تعداد میں شامل ہو گئے سندھی اور پنجابی کا تو کہنا ہی کیا ۔ دہلی اور آگرہ کی زبان ان زبانوں کے عام فہم الفاظ سے محروم رہی ہو یہ ممکن نہیں ۔

گلکرسٹ نے کھڑی بولی کو ہندوستانی کا ایک "خاص طرز" یا اسلوب کہا ہے وہ کھڑی بولی کو "ہندوستان کی خالص بولی" بھی کہتا ہے یعنی ایسی زبان جس میں عربی و فارسی الفاظ کی آمیزش نہ ہو — ایسی زبان پٹھانوں اور مغلوں کی آمد سے قبل رہی ہوگی لیکن یہ ماننا غلط ہوگا کہ یہ زبان وہی رہی ہوگی جو للولال جی وغیرہ نے استعمال کی ہے — سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اس زبان میں سنسکرت الفاظ کا استعمال اسی طرح ہوتا تھا جس طرح کہ کھڑی بولی کے ان نثر نگاروں نے کیا ہے — جواب نفی میں ہی دیا جاسکتا ہے۔ پراکرتیں اور اپ بھرنشیں سنسکرت کے عدم استعمال کا روشن ثبوت ہیں۔

اردو کے مخالفین اس کی تہذیبی اہمیت کے منکر ہیں۔ سیاست دانوں کو ہم نظر انداز کر سکتے ہیں اس زمرہ میں ایسی بزرگ ہستیاں شامل ہیں جو بڑے اعزاز کی مستحق قرار دی گئی ہیں۔ ان حضرات نے بھی سیاست کی عینک لگا کر اردو کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ کھڑی بولی نے ابتداً اردو کے روپ میں ترقی کی یہ زبان ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ عربی و فارسی الفاظ دوسری زبانوں میں بھی شامل ہوئے اور اس زبان میں بھی گھل مل گئے گلکرسٹ جب سرزمین ہند پر قدم رکھتا ہے تو اسے یہی زبان اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"۱۷۸۲ء میں بمبئی وارد ہوتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو اس وقت تک نہ تو میرے لئے ہی خوشگوار ہو سکتا ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے جب تک کہ اس ملک کی زبان میں پوری دستگاہ میں حاصل نہ کرلوں جہاں عارضی طور پر مجھے

قیام کرتا ہے۔ چنانچہ اس زبان کو جسے اس زمانہ میں مورس
(moors) کہتے تھے سیکھنے کے لئے میں جم کر بیٹھ گیا میری اس نئی
تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے جارج ہیڈلے کی اس تالیف کی طرف
رجوع کرنے کا مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے
لکھی تھی ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا جس نے
اصرار کیا کہ ان بزرگ سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا اسے سرے
سے بھلا دوں۔ کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے
بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی اس بحرانی دور میں
خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریبٹرے
(John Reltaw) سے جو کرنل ہو چکے ہیں سودا کا کلیات
مجھے مل گیا ہندوستان میں اس وقت (۱۷۹۸ء) تک جو
مہارت میں نے حاصل کی ہے اس کے لئے سودا کے کلیات
اور اسی کریم النفس انسان (جان ریٹرے) کے مشوروں کا
نیز اس کی ہمت افزائی و امداد کا میں بے حد رہین منت
ہوں [1]

اس اقتباس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس وقت یہ ہندوستانی
بمبئی میں بھی سمجھی جاتی تھی۔ یہ ہندوستانی اردو ہی تھی۔ للولال جی کے
پریم ساگر کی وہ زبان نہیں تھی جسے وہ کھڑی بولی کہتے ہیں یہ ہندوستانی
کھڑی بولی ہی تھی لیکن للولال جی کی کھڑی بولی نہیں بلکہ وہ کھڑی بولی

---

[1] گلکرسٹ اور اس کا عہد۔ محمد عتیق صدیقی صفحہ ۶۰۔۶۸

جو اردو شعرا کی جولانگاہ تھی۔ ورنہ ہندوستانی سمجھنے کے لئے سودا کا کلیات بالکل مفید ثابت نہ ہوتا تھا گلکرسٹ کو ہندوستانی اردو اتنی اہم نظر آئی کہ اس نے اس کی قواعد اور لغت مرتب کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب وہ اپنی فوج کے ساتھ سورت (سوراشٹر۔ گجرات) سے فتح گڑھ (اتر پردیش) جارہا تھا تو اسے ہندوستانی کی مقبولیت کے اور زیادہ ثبوت ملے۔ اس طرح قواعد اور لغت مرتب کرنے کا خیال اور پختہ ہوگیا۔

اس نے لکھا ہے :-

"جس گاؤں اور جس شہر سے میرا گذر ہوا وہاں اس زبان کی مقبولیت کی، جو میں سیکھ رہا تھا، ان گنت شہادتیں ملیں، جنھوں نے مجوزہ کتاب کی تکمیل کے شوق کو تیز تر کردیا۔"[1]

ہندی زبان :- ادب کے مورخین نے ہندو سنتوں کے اپدیشوں اور ریت کال کے شاعروں کے یہاں ہندی (کھڑی بولی) کے نقوش تلاش کرنے کی کوشش کی ہے سنتوں کے یہاں ایسی شاعری کے نمونے مل جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھڑی بولی انھیں بھی عزیز تھی۔ ایک علاقے کا سنت جب دوسرے علاقہ میں جاتا تو وہ اسی زبان کا سہارا لیتا تھا۔ ناتھ پنتھی و کبیر پنتھی سادھوؤں اور سکھ گروؤں کے کلام میں کھڑی بولی کے نمونے نظر آتے ہیں۔ ناتھ پنتھیوں کی تحریریں بہت قدیم ہیں ان کا زمانہ گیارھویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی تک مانا جاتا ہے۔ ناتھ پنتھیوں کی شاعری کے بارے میں رام چندر شکل لکھتے ہیں:-

---

[1] گلکرسٹ اور اس کا عہد۔ محمد عتیق صدیقی ص ۶۸

".. ناتھ پنتھیوں کے جوگیوں نے روایتی ادب کی زبان یا شاعری کی زبان سے جس کا ڈھانچہ ناگر اپ بھرنش یا برج بھاشا کا تھا الگ ایک "سدھکڑی" زبان کا سہارا لیا، جس کا ڈھانچہ کھڑی بولی لیے راجستھانی تھا۔" ؎۱

گورکھ ناتھ (تیرہویں صدی کا نصف اول) کی کئی تصانیف حاصل ہوئی ہیں ان کی تصانیف، گورکھ ناتھ کے پد، گورکھ بودھ، جوگیشوری ساکھی، وغیرہ میں کھڑی بولی کا استعمال نظر آتا ہے۔ گورکھ ناتھ کے علاوہ، چرپٹ ناتھ اور چورنگی ناتھ وغیرہ کے کلام میں بھی کھڑی بولی کا استعمال نظر آتا ہے۔

بیٹھا اودھو لوہ کی کھونٹی، چلتا اودھو پن کی موٹھی
سوتا اودھو جیوتا موا، بولتا اودھو پنجرے سوا
اردھ اُردھ بچی دھری اٹھائی، مدھ سنی میں بیٹھا جائی
متوالا کی سنگتی آئی، کتھنت گورکھ ناتھ پرم گتی پائی
(گورکھ ناتھ) ؎۲

؎۱ ہندی ساہتیہ کا اتہاس۔ رام چندر شکل ص۱۶
؎۲ منقول از کھڑی بولی کا اندولن از شتی کنٹھ مشر ص۳۲
کلام کے نمونے دیوناگری میں۔

बैठा अवधू लोह की खूंटी चलता अवधू पवन की मूठी
सोता अवधू जीवत मुआ, बोलता अवधू पिंजरे सुवा
अरध उरध बची धरी उठाई मधू सुनी में बैठा जाई
मतवाला की संगति आई कथन्त गोरखनाथ परम गति पाई

Scanned by CamScanner

کس کا بیٹا، کس کی بہو، آپ سوارتھ ملیا سہو
جے تا پھولاتے تا آل، چرپٹ کہے سب آل جنجال
(چرپٹ) [1]

ٹیکا پایا نگر جایا — جیسا سہر کا کوتا۔۔۔
جوک جگت کی پبری نہ جانی کان کڑائی وگوتا
(چورنگی ناتھ) [2]

کھڑی بولی میں ان سنتوں کی تخلیقات بہت کم ہیں۔ ان سے کھڑی بولی کی ابتدا پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ کبیر پنتھیوں کے یہاں پھر بھی کھڑی بولی کے نمونے زیادہ نظر آتے ہیں۔ بعد میں راجستھانی، برج ادب پر چھا جاتی ہیں۔ پرتھوی راج کے عہد کے مشہور شاعر چند بردائی کی تصنیف "پرتھوی راج راسو" میں بھی کھڑی بولی کا استعمال نظر آتا ہے لیکن یہ تصنیف مشتبہ ہے اس میں جس قدر زیادہ تعداد میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور جس غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستند تصنیف نہیں ہے۔ اس لئے اس تصنیف میں پائے جانیوالے

---

[1] منقول از کھڑی بولی کا اندولن۔ از شتی کنٹھ مشر ص ۳۲ (چرپٹ ناتھ کی سبدی۔ قلمی نسخہ دریافت
(ہزاری پرساد دویدی)
[2] " " " " (چورنگی ناتھ کی سبدی۔ قلمی نسخہ دریافت۔
ہزاری پرساد دویدی)

چرپٹ ناتھ: किस का बेटा किस की बहू आप स्वारथ मिल्या सहू
जेता फुलाते ता आले चरपट कहे सब आल जंजाल

چورنگی ناتھ: टीका पाया नगर जाया जैसा सहर को कोता
जोक जगत की पबरी न जानी कान कडाई बिगूता

کھڑی بولی کے نمونے بھی مستند نہیں مانے جا سکتے، ان کی قدامت مشتبہ ہے ۔

مہاراشٹر کے سادھوؤں کے ملفوظات میں بھی کھڑی بولی کے نمونے نظر آتے ہیں سنت گیانیشوری، ایک ناتھ، تکا رام وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہے ۔ ان کا تعلق خاص طور سے شمالی ہندوستان سے رہا اس لئے انھوں نے کھڑی بولی کا سہارا لیا ۔ ہندی زبان و ادب کے مورخین نے جین مبلغوں اور دادو پنتھی سنتوں کے یہاں کھڑی بولی کے نمونے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ دادو پنتھ کے مشہور سنت رجّب، سندر داس اور موہن داس وغیرہ ہیں ۔ پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں بھی اس پنتھ کے سنتوں کو ڈھونڈھ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ کھڑی بولی کی شاعری کے پیش رو کی حیثیت سے انھیں بڑی اہمیت دی جاتی ہے ۔

بھگتی کال کے شمالی ہندوستان کے شاعروں کے یہاں بھی کھڑی بولی کے نمونے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کے جتنے نمونے دوسرے علاقوں کے سادھوؤں سنتوں کے یہاں مل جاتے ہیں اتنے شمالی ہندوستان سے تعلق رکھنے والے سنت شاعروں کے یہاں نہیں ملتے شمال میں اودھی اور برج کو امتیازی حیثیت حاصل رہی ۔ بعد میں برج اودھی پر چھا گئی ۔ بھارتندو ہرشچندر کے عہد تک برج بھاشا کو اہمیت حاصل رہی اب برج کی جگہ کھڑی بولی نے لے لی ۔

کبیر داس اور ان کے مسلک کے دوسرے سنت ریداس، نسرن، دھنا وغیرہ کے یہاں ملتے ہیں ان میں کبیر کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ان ساکھیوں میں کھڑی بولی کا زیادہ استعمال ہے ۔ ان کی بڑی مشہور ساکھی ہے ؎

مالا پھیرت جگ مُوا پھِرا نہ من کا پھیر
کر کا منکا چھوڑ دے من کا من کا پھیر

کبیر کے سرمایۂ شاعری کو دیکھتے ہوئے کھڑی بولی کے یہ نمونے کم ہی کہے جائیں گے۔ دوہوں اور پدوں میں ان کی کھڑی بولی دوسری بولیوں کے ساتھ مل جاتی ہے۔

میرا بائی کے کلام میں بھی کھڑی بولی کے نمونے نظر آتے ہیں ؎

کوئی دن یاد کروگے رمتا رام اتیت ......
انسڑ مارا ڈگ ہوئے بیٹھی پانی بھجن کی ریت
میں تو جانڑوں سنگ چلے گا چھاڑ گیا ادھ بیچ
آت نہ دیسے جات نہ دیسے جوگی کس کا میت
میرا کہے پربھو گردھر ناگر چرن آوے چیت[1]

ریت کال کے شاعر شعر و ادب کا رچا ہوا ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے عربی فارسی الفاظ کے استعمال سے بچنے کی کوشش نہیں کی بلکہ بڑی فنکاری و چابکدستی سے ان کا استعمال کرتے تھے۔ یہ دور شاعرانہ صنعتوں کے فروغ کا دور ہے۔ شعرا اس زبان کو خوبصورت و دلکش بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس دور کے اسلوب کی سب

---

[1] دیوناگری میں۔

कोई दिन याद करोगे रमता राम अतीत
अंसरा मारग ढिंगा हुए बैठी थाहि भजन की रीत ।
मैं तो जाँरचें संग चले गा छाड़ गया अध बीच
आत न दीसे जात न दीसे जोगी किस का मीत
मीरा कहे प्रभु गिर धर नागर चरण आवे चीत ।

سے زیادہ نمایاں خوبی الفاظ کی تکرار ہے۔ ایک ہی قسم کے الفاظ کا اس طرح استعمال کیا گیا جن سے کئی معنی مراد ہوں۔

بھوشن۔ اس فن کا بہت بڑا ماہر مانا جاتا ہے جیسے ؎

اونچے گھور مندر[1] کے اندر رہن داری ۔۔ ۱۔ مندر = مکان

اونچے گھور مندر[2] کے اندر رہاتی ہے ۔۔ ۲ مندر = پہاڑ

یعنی جو پہلے اونچے مکانوں میں رہتی تھیں وہ اب اونچے پہاڑوں میں رہتی ہیں

بھوکن[1] ستعل انگ، بھوکن ستعل انگ ۔۔۔ بھوکن[1،2] = زیورات ۔ بھوک[2] سے۔

بجن[1] ڈلاتی بیتب بجن ڈلاتی ہیں ۔۔ ۱ بجن ڈلاتی = پنکھا ہلاتی تھیں

۲ " " = اکیلی پھرتی ہیں

یعنی جن کے جسم (انگ) زیوروں سے کمزور تھے وہی جسم آج بھوک سے کمزور ہیں۔ جو پہلے پنکھا جھلتی تھیں (آرام سے) وہ اب اکیلی (جگہ جگہ ماری ماری) پھرتی ہیں۔

بھوشن کے کلام میں دوسرے شاعروں کے مقابلے میں کھڑی بولی کے نمونے بہت کم ہیں۔ عربی و فارسی الفاظ کا استعمال بھی بہت کم ہے۔ بھوشن سے بعد کے شاعروں نے کھڑی بولی میں نسبتاً زیادہ کامیاب تجربے کئے۔ کچھ شاعروں کے یہاں تو ایسی تخلیقات ہیں جو کھڑی بولی میں ہی ہیں اور ان پر برج کی بالکل چھاپ نہیں کچھ شاعر ایسے ہیں جو برج میں لکھتے تھے لیکن کھڑی بولی اور عربی و فارسی الفاظ کے استعمال سے بے نیاز بھی نہ تھے کھڑی بولی کے بکھرے نمونے جٹ مل (…) ورند (…) گردھر کوی راج (…) دیا رام (दयाराम) اور گوال (ग्वाल) وغیرہ کے یہاں ملتے ہیں۔ بھوشن کی جس خوبی کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اسی قسم کا یہ نمونہ دیکھئے۔ لفظ خوبی کا صنعت گرانہ استعمال ؎

جاکی خوب خوبی، خوب خوبن کے (खूबिन के) خوبی...

ایہاں (यहाँ) تاکی خوب خوبی، خوب خوبی نبھ (नभ) کا ہنا

گوال کی تحریروں کے یہ نمونے بھی دیکھئے

دیا ہے خدا نے خوب خوشی (खूब खुशी) کرو گوال کوی

کھاؤ پیو لیو دیو یہیں رہ جانا ہے .....

ایسی زندگانی کے بھروسے پہ گمان ایسے

دیس دیس گھوم گھوم[1] (घूम घूम) من بہلانا ہے.

آئے پروانہ پر چلے نہ بہانہ یہاں ______

نیکی کر جانا پھیر (फेर) آنا ہے نہ جانا ہے

راجا راؤ (राव) امراؤ[2] (उमराव) کیتے بادشاہ بھئے (कितने बादशाह भए)

کہاں تے کہاں کو گئے لگیو نہ ٹھکانا ہے.

شاعر نے خیالات کے اظہار کے لئے غزل کی ہیئت اختیار کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے غزل کی شاعری سے دوسرے لوگ بھی محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صنف صرف مسلمانوں کی میراث نہیں تھی، جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا رہا ہے اور جس پہ ہندی زبان و ادب کے مورخین ایمان رکھتے ہیں۔ شاعر نے کتنی خوبی سے عربی و فارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ تلفظ میں تبدیلی (تدبھو روپ) سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شاعر عربی و فارسی سے واقف نہ تھا لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہی کہ یہ الفاظ عام طور پہ مستعمل تھے۔ تلفظ کا فرق مختلف علاقوں کی بولیوں کے اثر سے بھی ہوتا ہے۔ نمونے کے جو اشعار پیش کئے گئے ہیں ان میں

---

[1] گھوم گھوم - امراؤ [2] کتنے بادشاہ ہو گئے۔

رخ کو کھ، ویدنش اکو دمی) دکھوسی، خوشی) لکھا گیا ہے۔ بھئے (ہوئے) کیتے (کیتے) نیگو (لگا) وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا اس دور کے ان مراکز سے دور تھا جہاں کی زبان معیاری مانی جاتی ہے اس طرح یہ زبان خود گو اہل زبان کہنے والوں کی زبان سے مختلف بھی لیکن یہ اردو سے کتنی قریب ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

گوالی کے یہ اشعار اور دیکھئے ؎

گوالی کوئی حاضر ([illegible]) خدا کی بندگی میں رہو
اسی پسندگی کے کار سب بجا لانے ..
دانا چھترا نا جہاں، جانا ہے ضرور اردو (اور)
اردیا ناکھوں دہی ہے جو دلانا حق تالا (تعالیٰ) نے

ان نمونوں سے اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگتی کہ عربی و فارسی الفاظ کا اس قدر فیاضانہ استعمال زبان کے تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہے کسی سیاسی زبردستی کا نہیں۔ تہذیبی اختلاط سے ایک نئی زبان تعمیر ہو رہی تھی۔ فارسی کی ادبی روایات جنھیں ورثہ میں ملی تھیں انھوں نے فارسی عروض کا ہی سہارا لیا لیکن جو شاعر ہندوستان کی زبانوں (اودھی برج وغیرہ) کی روایات سے ہی واقف تھے انھوں نے ان زبانوں کے ہی عروض کا سہارا لیا ہے۔

چند متفرق نمونے دیکھئے ؎

مینا کے محل زرباف در پردہ ہے
جلی فانوس میں روشنی چراغ کی۔
گل گل گل میں غرق [illegible] اب یگ[1] ہوت

---

[1] پیر

جہاں کچھی سند لاکن[1] کے دام کی۔۔۔ (دجٹ مل)

اس قسم کے متفرق اشعار بہت سے شاعروں کے یہاں نظر آتے ہیں۔

بہت سے ایسے شاعر بھی ہیں جنہوں نے کھڑی بولی پر بڑی توجہ صرف کی ہے اور مروج عربی و فارسی الفاظ سے چھوت چھات نہیں برتی ہم یہاں ایسے مسلمان شاعروں کے ذکر سے گریز کر رہے ہیں۔ ہندو شاعروں کی تخلیقات ہمیں حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ تمام شاعروں کی تخلیقات پر اظہار خیال تفصیل طلب[2] ہے۔ اس لئے چند شاعروں کا ہی ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے ہم ستیل داس کا ذکر کرنا چاہیں گے۔ یہ ۱۹ ویں صدی وکرمی میں موجود تھے ان کے صحیح عہد کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ ۱۸ ویں صدی وکرمی کے آخری سالوں میں تھے اور کچھ ۱۹ ویں صدی وکرمی کا زمانہ (۱۸۳۲ وکرمی) قرار دیتے ہیں۔

ستیل داس نے ایک سلسلۂ چمنستان شروع کیا تھا یہ تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تخلیقات گلزار چمن۔ آنند چمن اور بہار چمن ہیں۔ یہ تینوں چمن گلزار چمن کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان تخلیقات میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال بڑی صفائی اور شستگی سے کیا گیا ہے۔ جیسے، غم امن، عشق حقیقی، دل مہتابی ہمیشہ، دریچہ، دلبر، سبز، پیاری

---

[1] لعلوں کی۔ (لعلن بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اب بھی اودھی بھوجپوری وغیرہ میں اس قسم کے الفاظ سننے میں آتے ہیں یہ جمع کا قاعدہ ہے جیسے لوگن (کئی لوگ) لڑکن (کئی لڑکے) بڑکن (بڑے لوگ) وغیرہ۔

[2] یہ تفصیل دوسرے مضمون کی محتاج ہے۔

رخسار، مجبوعہ، گریباں، فرہاد، افلاطون، جنبش، گویا۔ وغیرہ۔ عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ ساتھ سنسکرت کے الفاظ بھی ہیں۔ کہیں کہیں بولیوں کے اثرات بھی ہیں۔ چند اشعار دیکھئے۔

خوبی[1] سی دولت ملی تجھے پر تیرا دل نہ اُدار ہوا
تو عیسیٰ ہوا زمانے کا یہ دردمند[2] بیمار ہوا

دل چاہے دلبر سو کرے ہم دھرمی[3] شش[4] پر بازی ہے
کیوں عاشق ہو دم بھرتا ہے بیٹھا رہ اپنا جال لیے

اپنا تو کام تمام ہوا جانی اس جنبش لب ہی میں
ناگن پھر پانی کیا مانگے دیکھے ان کی لہران کہیں

معلوم ہوا ہم کو دل بر ان کی آنکھوں میں گڑتے ہیں
جانی کا ہاتھ نظر آیا دل ہاتھوں ہاتھ بکا[5] گیا

جانی کے جھمکن[6] کانوں لکھتے[7] موتی بیتاب ہوا
زلفوں میں پھنسا جب سے سنبل دربدر خراب ہوا

کہ شرد[8] چندر جب سے دیکھا نت[9] چھین[10] چھن مہتاب ہوا
اس لال بہاری کے عارض سن ہائے آئینہ آب ہوا

---

[1] فیاض [2] ہندی میں دَرَد مند ([illegible]) نہ لکھتے ہوئے دَرَد مند ([illegible]) لکھا گیا ہے۔ [3] رکھا [4] سر [5] بک گیا [6] جھمکے [7] دیکھنے [8] شرد پورنیما - یعنی کنوار کے مہینے کا پورا چاند [9] خود [10] مضطرب و بے چین۔

کیا مجھے اکسنے دیتی ہے گردن پر زلف رنجیر ہوئی
بن مارے گھائل کرتی ہے جانی کی چتون تیر ہوئی

چند دوسرے شاعروں کے یہ نمونے بھی دیکھئے ؎

نہیں کچھو (کچھ) غرض دنیا سے نہ مطلب لاج سود سے) پیرا
جو جیا ہو سو کہو کوئی بسا اب تو وہی من میں
کروں قربان جی اس پر جنم بھر گن نہ بھولوں گی
مرا محبوب جو لا کر بٹھا دے میرے آنگن میں
تری یہ بات سانچی ہے نہیں خنک اس میں نارائن
جو صورت کا ہے مستانہ وہ کیسے پڑے باتن دباتوں میں
(نارائن سوامی)

نہ کل (چین) پرتی (پڑتی) ہے بیکل کو نہ جی لگتا ہے بن جانی
کبھی (دھوئی) پھرتی ہوں جوگن سی سر بازار گلین (گلیوں) میں
(نارائن سوامی)

عشق اسی کی جھلک ہے جیوں سورج کی دھوپ
جہاں عشق تہاں آپ ہیں قادر نادر روپ
(ناگری داس)

ا۔ نکلنا

۲۔ دھوکے میں آنا بھلاوے میں آنا۔

نہ لگی اک پلک، پلک سے پلک
بیٹھے ہی آفتاب آیا جھلک
اس برج کے رس[1] برابر دیگر نظر نہ آیا
جہاں گوپیوں نے مل کر پریتم پیا رجھایا
(سوائی پرتاب سنگھ "برج ندھی)

اس جائزے سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اردو مختلف خطوں اور طبقوں میں فروغ پا رہی تھی۔ کھڑی بولی میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال فطری و تاریخی عمل ہے۔ انتہا پسندی کا شکار ہو کر عربی و فارسی الفاظ کے استعمال سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بھارتند و ہریش چندر کے عہد سے کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک شروع ہوتی ہے حالانکہ اس کا آغاز فورٹ ولیم کالج میں ہو چکا تھا۔ بھارتند و ہریش چندر کا انتقال پینتیس سال کی عمر میں ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ ہم نے جن شاعروں کا نمونۂ کلام پیش کیا ہے ان میں سے کچھ کم و بیش ایک سو پچاس سال قبل کے بھی ہیں تقریباً ڈیڑھ دو سو سال کا وہ زمانہ جو بھارتیند و کے عہد پر ختم ہوتا ہے بڑا ہی اہم ہے۔

دیو ناگری میں کھڑی بولی کے جو نمونے نظر آتے ہیں وہ اردو سے مختلف نہیں ہیں یہ تخلیقات اس کا ثبوت ہیں کہ اردو صرف دہلی، لکھنؤ اور مسلمان شرفا و اہل زبان، تک محدود نہ تھی اسے ہم اپنی بدقسمتی کہیں یا کم ظرفی کہ ادب کا یہ جز ابتک ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہا یہ عنصر بھی توجہ کا مستحق ہے۔

---

[1] کیف۔

مشرقی و مغربی ہندی کا تصوّر اور ہمارے ماہرینِ لسانیات

زبان اور بولی میں کیا فرق ہے —— اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ہم اسے دوہرانا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ "زبانیں" ترقی یافتہ بولیاں ہیں۔ بولیوں کو وہ تہذیبی حیثیت حاصل نہیں ہوتی جو زبان کو حاصل ہوتی ہے وہ بولی زبان بن جاتی ہے جسے خیالات کے تحریری اظہار کے لئے اپنا لیا جاتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک زبان بولنے والے بولیوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے یہ ممکن ہے کہ ایک خاص قسم کے ماحول میں رہنے والے صرف ایک زبان بولتے ہوں اور دوسری بولیوں سے ناواقف ہوں۔ ایسے لوگوں کی کثیر تعداد نظر آتی ہے جو بھوجپوری، اودھی، برج، قنوجی، بندیلی، چھتیس گڑھی، بگھیلی، مالوی، نیماڑی اور راجستھانی (راجستھان کی بہت سی بولیاں) وغیرہ بولتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی "مادری بولی" یہی بولیاں ہیں۔

دھنوں نے اردو یا ہندی کو "تہذیبی زبان" کے طور پر اختیار کر لیا ہے اور اردو یا ہندی کو اپنی مادری زبان کہنے لگے ہیں - جب یہ کہا جاتا ہے کہ اتنے کروڑ افراد کی مادری زبان اردو ہے اور اتنے کروڑ افراد کی مادری زبان ہندی ہے تو یہ بڑی عجیب سی بات ہوتی ہے - یہ غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بہت سی بولیوں کو ہندی یا ہندی کی بولی کہنے کی عادت سی پڑ گئی ہے - اسی طرح وہ لوگ جن کے نزدیک اردو کی تہذیبی اہمیت ہے اردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں۔

اردو اور ہندی کے آغاز و ارتقا پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے - اس کام کا آغاز اہل مغرب نے کیا اور ان کی تقلید اردو ہندی کے ماہرین لسانیات نے کی - گریرسن کے لسانی جائزے کو حرفِ آخر کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے - اردو ہندی کے ماہرین لسانیات اس کے نظریات کے ہی ترجمان ہیں - اردو کے مقابلے میں ہندی میں لسانی موضوعات پر بہت زیادہ کام ہوا ہے - ہندی زبان و ادب کی تاریخوں میں لازماً اردو کا ذکر بھی کیا جاتا ہے - اردو پر ہندی کی برتری ثابت کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی بلکہ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اردو کو بہت معمولی اور محدود زبان ثابت کیا جائے۔ اس طرح علمی سطح پر اردو کے خلاف ایک فضا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ اردو کے ماہرین لسانیات ہندی کے ان لسانی کارناموں پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن ان پر نہ اپنی رائے دیتے ہیں اور نہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں اس سے اردو زبان و ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہت سی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں - اردو کی مخالفت کرنے

والوں کی باتیں سنی جاتی ہیں لیکن ان کے نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ہماری رہنمائی نہیں ہو پاتی۔

اصل مسئلہ مشرقی و مغربی ہندی کا ہے جو بڑی الجھن پیدا کرتا ہے اردو اور ہندی دونوں ہی کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں لیکن اردو نے آس پاس کی بولیوں کے ادب سے کوئی واسطہ نہ رکھا اور ہندی نے برج اودھی، راجستھانی وغیرہ کے ادب کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے ہندی ادبیات کا جز بنا لیا۔ اس طرح ہندی ادب کی تاریخ کئی سو سال کی تاریخ ہو جاتی ہے ہم ہندی کو نہ اتنی قدیم زبان سمجھتے ہیں اور نہ ہی برج اودھی اور راجستھانی کی شاعری کو ہندی کہنا پسند کرتے ہیں۔ سور داس، تلسی داس، قطبن، عثمان منجھن، نور محمد، رسخان میرا بائی وغیرہ کی زبان ہندی سے بالکل مختلف ہے انھیں ہندی کا شاعر کہنا اور ان کی شاعری کو ہندی کہنا تاریخی اور لسانی اعتبار سے غلط اور گمراہ کن ہے اسے تو ہم ہندی زبان و ادب کی تاریخ مرتب کرنے کی فکر میں کی گئی ایک لسانی بے ایمانی ہی کہہ سکتے ہیں۔

مشرقی اور مغربی ہندی کا تصور گریرسن کی ذہنی اپج ہے اس نے مشرقی ہندی کے گروہ میں اودھی بگھیلی اور چھتیس گڑھی کو اور مغربی ہندی کے گروہ میں بندیلی، قنوجی، برج بھاشا اور اسٹینڈرڈ ہندوستانی کو شامل کیا ہے اس اسٹینڈرڈ ہندوستانی کو وہ لنگوا فرینکا کہتا ہے۔

گریرسن کی یہ تقسیم بہت ہی غلط اور غیر سائنٹفک ہے۔ مختلف بولیوں کے گروہ کو مشرقی و مغربی ہندی کا نام دینے سے یہ گمان گزرتا ہے کہ

یہ بولیاں مشرقی ہندی و مغربی ہندی کی شاخیں ہیں۔ اس کی یہ تقسیم گمراہ کن ہے — اردو زبان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو تو اور زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گریرسن نے جب لسانی جائزے کی ترتیب کی اس وقت ایک طرف تو کھڑی بولی کا ہندی روپ ترقی کر رہا تھا اور دوسری طرف بولیوں کے تمام سرمائے کو ہندی کہا جانے لگا تھا۔ اس نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ ان تمام بولیوں کو ہندی کہنا کہاں تک صحیح ہے وہ لکھتا ہے ؎

"ہندی نام عام طور سے ان تمام آریائی زبانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو مغرب میں پنجاب اور مشرق میں مہانندا، شمال میں ہمالہ اور جنوب میں نربدا کے درمیان بولی جاتی ہیں"

تعجب ہے کہ گریرسن مختلف زبانوں کے لئے استعمال ہونے والے ہندی نام پر معترض نہیں ہوتا اور اس علاقہ کی تمام زبانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اس نے بہاری اور راجستھانی کو الگ گروہ مانا ہے لیکن اس کے بعد کے ماہرین لسانیات انھیں بھی ہندی مان لیتے ہیں۔

اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر مضامین و کتابیں لکھنے والے اصحاب قلم نے گریرسن کے اس کلیہ کو صحیح مان لیا ہے۔ محض گریرسن کی تقلید کی گئی ہے اور اس کے نظریات کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ گریرسن کے نظریہ سے ہندی کو ضرور فائدہ پہنچا اس کا یہ بے بنیاد نظریہ ہی اردو کو ہندی کی ایک شیلی کہلوا رہا ہے شوکت سبزواری نے اپنی تصنیف "اردو زبان کا ارتقا" میں مغربی ہندی کے تصور پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ —— "مغربی ہندی کا تصور ایک طرح کی ذہنی تجرید یا منطقی اپج ہے۔ دہلی اور اس کے نواح کی بولیوں میں طیر معمولی خاصیتیں

Linguistic survey of India Vol. IX Part I P. 3

دیکھ کر دانایانِ مغرب کو خیال ہوا کہ وہ اس کا متحد آخذ قرار دیں چنانچہ مغربی ہندی کے نام سے ایک زبان فرض کر کے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ زبان گیارہویں صدی عیسوی میں ہریانی، برج، کھڑی، قنوجی اور بندیلی کے وسیع و عریض علاقہ میں بولی جاتی تھی، یہ بولیاں اس زبان کی کوکھ سے پیدا ہوئیں۔"

شوکت سبزواری اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ سبزواری کی تصنیف ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے مغرب کے اہلِ قلم کے نظریات و مفروضات سے اختلاف تو کیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی تصنیف "مقدمۂ تاریخ زبان اردو" بڑی اہم تصنیف مانی جاتی ہے۔ یقیناً ہی یہ اردو زبان کے آغاز و ارتقا پر پہلی جامع تصنیف ہے۔ لیکن ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی مشرقی و مغربی ہندی کے فرضی تصور پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور گریرسن کی تقسیم کو صحیح مان لیا ہے

پروفیسر احتشام حسین صاحب نے جان بیمز کی تصنیف "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ" کے ترجمے کے ساتھ جو مقدمہ شامل کیا ہے وہ بھی بڑا مفصل ہے اس سے احتشام صاحب کے نظریات کا اندازہ ہوتا ہے۔ احتشام صاحب بھی نئی خاندانی تقسیم نہیں کرتے۔ لکھتے ہیں ؎

"وسطی ہند آریائی پراکرتوں میں پالی سب سے اہم ہے لیکن اردو ہندی کا مطالعہ کرنے والوں کو شورسینی کا نام ذہن میں رکھنا چاہیے کیونکہ یہی شورسینی پراکرت کچھ دنوں کے بعد اپ بھرنش میں تبدیل ہوئی اور پھر مغربی ہندی اور مشرقی پنجابی کی مختلف شکلوں کی ماں بن گئی جن میں اردو اور ہندی بھی شامل ہیں۔ [1]

---

[1] "ہندوستانی لسانیات کا خاکہ" مقدمہ از احتشام حسین ص ۳۷

اس اقتباس کے سب سے زیادہ اہم الفاظ "مغربی ہندی اور مشرقی پنجابی کی مختلف شکلوں کی ماں بن گئی" ہیں۔ اس سے ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ احتشام صاحب بھی مختلف شکلوں (اردو ہندی (کھڑی بولی) قنوجی، بندیلی، اور برج وغیرہ) کو مغربی ہندی ہی کی شاخ تصور کرتے ہیں جب اپ بھرنش مغربی ہندی کی مختلف شکلوں کی ماں ہے تو اس مغربی ہندی کا اپ بھرنش سے کیا رشتہ ہے اور یہ اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے؟

مغربی ہندی کے ساتھ ساتھ مشرقی ہندی کی اصطلاح بھی رائج ہے احتشام صاحب بھی مشرقی ہندی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن مشرقی ہندی کیا ہے۔ یہ نہیں بتاتے۔ اودھی کا ذکر کرتے ہوئے احتشام صاحب لکھتے ہیں۔

"مشرقی ہندی کی بولیوں میں اودھی سب سے اہم ہے۔ یہ اردھ ماگدھی سے اپنا رشتہ جوڑتی ہے .... کبیر داس، قطبن، ملک محمد جائسی اسی زبان کے رتن ہیں۔ ادبی حیثیت سے اس کی جگہ اردو ہندی نے لے لی"[۱]

اودھی کی جگہ ایک طرف اردو نے لی تو دوسری طرف برج نے۔ برج کی جگہ ہندی نے لے لی۔ انیسویں صدی کے آخر تک برج کی شاعری مقبول رہی، کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک نے برج کو ختم کر دیا۔

برج کا ذکر کرتے ہوئے احتشام صاحب لکھتے ہیں۔

"برج بھاشا نے مغلوں کے زمانے میں (اور خاص کر آگرہ دارالخلافت بن جانے کی وجہ سے) اتنی اہمیت اختیار کر لی کہ بہت دنوں تک ہندی شاعری کی زبان رہی"[۲]

---

[۱] ہندوستانی لسانیات کا خاکہ - مقدمہ احتشام حسین ص ۵۲

اس جملے میں ہمیں ہندی شاعری پر اعتراض ہے۔ یہاں اتنا لکھنا ہی کافی ہوتا کہ "بہت دنوں تک شاعری کی یہی زبان تھی"

ہندی زبان و ادب کے مورخین و دوسرے ماہرین لسانیات کو چاہیئے کہ وہ ہندی صرف اس زبان کو کہیں جو کھڑی بولی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ ہم پراکرتوں اور اپ بھرنشوں کو جتنی اہمیت دیتے ہیں اتنی ہی اہمیت ان بولیوں کو دینی چاہیئے۔ ہندی زبان و ادب کی تاریخ دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے ایک حصہ کو قدیم ہندی اور دوسرے حصہ کو جدید ہندی کہتے ہیں۔ قدیم ہندی میں ان تمام بولیوں کا ادب شامل کیا جاتا ہے جو مغربی ہندی و مشرقی ہندی کی بولیاں کہی جاتی ہیں۔ جدید ہندی کھڑی بولی کی اس شکل کو کہتے ہیں جو آج ہماری قومی زبان ہے — اگر قدیم و جدید کی اس تقسیم کو مان بھی لیا جائے تب بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کھڑی بولی کی ان تحریروں کو قدیم کہا جائے گا یا جدید جو فورٹ ولیم کالج کی تحریروں سے پہلے نظر آتی ہیں۔ احتشام صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندی کوئی مخصوص زبان نہیں تھی۔ اودھی، برج بھاشا بھوجپوری، بندیلی، پہاڑی وغیرہ سب الگ الگ یا مل کر ہندی کہی جا سکتی تھیں" [1]

ڈاکٹر گیان چند بھی مشرقی و مغربی ہندی کے نظریہ کو صحیح مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ جملے پس و پیش کے بھی غماز ہیں مغربی و مشرقی ہندی کے تصور کو صحیح ماننے کے لیے وہ جو وجہ جواز پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

"پراکرتوں اور اپ بھرنشوں میں نئی زبان کے حسب و نسب کا کھوج لگانا

---

[1] ہندوستانی لسانیات کا خاکہ۔ مقدمہ احتشام حسین ص ۲۳

بڑا پیچیدہ کام ہے - پھر بھی ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ مغربی ہندی شورسینی پراکرت اور شورسینی اپ بھرنش کی جانشین ہے اور مشرقی ہندی اردھ ماگدھی پراکرت اور اردھ ماگدھی اپ بھرنش کی ۔[1]

لیکن یہ فرض کر لینے سے کہ شورسینی اپ بھرنش کی جانشین مغربی ہندی اور اردھ ماگدھی اپ بھرنش کی جانشین مشرقی ہندی رہی ہوگی مسئلہ نہیں سلجھتا - اب تک ایسی تحریریں فراہم نہیں ہو سکی ہیں جنہیں مغربی ہندی یا مشرقی ہندی کا نام دیا جا سکے - اگر ایسے نمونے فراہم بھی ہو جائیں جنھیں ان تمام بولیوں کا (جو مشرقی و مغربی ہندی کی بولیاں کہی جاتی ہیں) ماخذ قرار دیا جا سکے تو کیا ضروری ہے کہ ہم انھیں مشرقی یا مغربی ہندی کہیں - ان کے لئے پراکرت یا اپ بھرنش کی طرح کوئی دوسری اصطلاح اختیار کی جا سکتی ہے مشرقی و مغربی ہندی کے تصور کو اردو زبان کی تاریخ میں کوئی جگہ نہیں ملنی چاہیئے -

گریرسن نے مشرقی و مغربی ہندی کی جو گروہ بندی کی ہے اس کی کوئی سائنٹفک بنیاد نہیں ہے - نہ تو مشرقی ہندی کا وجود تھا اور نہ مغربی ہندی کا - مشرقی و مغربی ہندی کے گروہ میں جن بولیوں کو شامل کیا جاتا ہے ہم انھیں ہندی نہیں کہہ سکتے - کھڑی بولی، برج، اودھی اور دوسری بولیوں کے تقابلی مطالعہ سے بھی اس فرق کو سمجھا جا سکتا ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ماہرین لسانیات مشرقی ہندی، مغربی ہندی، قدیم ہندی، جدید ہندی کی اصل حیثیت سے پوری طرح واقف ہیں سب ہی یہ جانتے ہیں کہ قدیم ہندی کئی بولیوں کے مجموعے کا نام ہے - یہ

---

[1] اردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ - اردوئے معلیٰ لسانیات نمبر ڈاکٹر گیان چند ص ۱۴۷

بولیاں کھڑی ہندی سے بالکل مختلف ہیں ۔ ہمارے ماہرین لسانیات نے اپنا کوئی منفرد نقطۂ نظر نہیں پیش کیا ۔ ہمارا خیال ہے کہ مشرقی و مغربی ہندی کے فرضی تصور کو اہمیت نہ دینی چاہیئے ۔ کھڑی بولی اور دوسری بولیوں کا اپ بھرنشوں سے سیدھا تعلق ہے ۔ گریرسن کے اس تصور سے ہندی زبان و ادب کے مورخین نے فائدہ اٹھایا اور اردو زبان کے مورخین نے تقلیدی روش اختیار کر کے بہت سی الجھنیں پیدا کر دیں ۔

اُردو کی مخالفت اور متعصبانہ نظریات

اردو اور ہندی کے آغاز و ارتقاء پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اہل مغرب نے اس کام کا آغاز کیا اور اردو ہندی کے ماہرین لسانیات نے ان کی تقلید کی گریرسن کے لسانی جائزے کو حرف آخر کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اردو کے مقابلے میں ہندی میں لسانی موضوعات پر زیادہ کام ہوا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہندی کو زیادہ اہم زبان قرار دیا جائے اور دوسری زبانوں پر خصوصاً اردو پر اس کی برتری ثابت کی جائے۔ ہندی زبان و ادب کی تاریخوں میں لازمی طور پر اردو کا ذکر بھی کیا جاتا ہے مصنفین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اردو پر ہندی کی برتری ہی ثابت نہ کی جائے بلکہ اردو کو بہت محدود اور محدود زبان ثابت کیا جائے۔ اس سے اردو کے خلاف علمی سطح پر ایک فضا بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جدید ہند آریائی زبانوں کی جو خاندانی تقسیم گریرسن نے کی ہے ہمارے ماہرین لسانیات اس کے مقلد اور ہم نوا ہیں ہمارا خیال ہے کہ گریرسن کی یہ تقسیم بہت سی الجھنوں میں مبتلا کر دیتی ہے ہم جب اردو کی مخالفت کرنے

دانوں کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ان نظریات کی بنیاد تو گریرسن کی لسانی تقسیم پر بھی ہے اور دوسری طرف متعصب ذہن ہیں جو غلط استدلال سے کام لے کر اختلافات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔

بھارتیندو ہریش چندر کا عہد اردو کی مخالفت کا پہلا دور ہے کھڑی بولی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھنے کا تجربہ پہلی بار فورٹ ولیم کالج میں کیا گیا تھا لیکن بہت عرصہ تک کالج کی چار دیواری کے باہر اسے مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اس زمانہ میں اردو کے علاوہ دوسری اہم زبان برج تھی۔ برج کے مقابلے میں کھڑی بولی کا ہندی روپ اپنا چراغ نہ روشن کر سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کھڑی بولی کا اردو روپ ارتقا کی کئی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اس لئے یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ اردو میں ترمیم کرنا بے سود ہی ہو گا فورٹ ولیم کالج میں جو تجربات کیے گئے ان کی تجدید بھارتیندو ہریش چندر نے کی یہ دور تجربات اور متضاد رجحانات کا دور ہے۔ ایک طبقہ عام فہم مروجہ عربی و فارسی الفاظ کی جگہ سنسکرت کے نامانوس الفاظ کے استعمال کا مخالف تھا اور دوسرا طبقہ اردو زبان اور اردو رسم الخط کا سخت مخالف تھا۔

اردو کی مخالفت کی بنیادیں بڑی گہری ہیں۔ پہلی جنگ آزادی تاریخ ہند کا اہم واقعہ ہے۔ انگریز اہل ہند کے اتحاد کا شاندار مظاہرہ دیکھ چکے۔ انھیں کامیابی آسانی سے حاصل نہ ہوئی تھی۔ انگریز سیاست دانوں نے یہ محسوس کیا کہ ہندوستان میں حکمرانی اس وقت ممکن نہ ہو گی جب تک ملک میں اتحاد قائم رہے گا۔ جہاں بھی ممکن ہوا یہ کوشش کی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کا مخالف بنا دیا جائے فرقہ وارانہ رجحانات پیدا کرنے کی جو کوشش دانایان مغرب نے کی اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ برصغیر کی تقسیم کے پیچھے جو

طویل داستان ہے اس سے ہم سب واقف ہیں۔

اردو اور ہندی کا جھگڑا اسی قسم کا عطیہ ہے جو دانایان مغرب نے ہمیں دیا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انگریزوں کی آمد سے ملک میں انگریزی کا فروغ ہوا۔ مکمل طور پر حکومت قائم ہونے کے بعد انگریزی کے فروغ کے اور مواقع ہاتھ آگئے۔ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ مخالفت اس زبان کی کی گئی جو اس سرزمین پر جنم لے کر ترقی پذیر ہوئی۔ اردو کے مخالفین نے انگریزی کے خلاف آواز بلند نہ کی جو کہ قطعی غیر مانوس اور غیر ملکی زبان تھی۔

بھارتیندو ہریش چندر کے عہد میں جس ادب کی تخلیق ہوئی اس میں ایک فرقہ کو نشانۂ ملامت بنایا گیا۔ ہم جب اس زمانہ کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کس طرح متنازعہ موضوعات پر اشعار و مضامین لکھ کر دو اہم فرقوں کے درمیان خلیج پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان موضوعات کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ہم صرف زبان کے مسئلہ کو ہی پیش کر رہے ہیں۔

اس عہد کے ڈرامہ نگاروں نے ہندی اور اردو کے موضوع پر ڈرامے لکھے۔ یہ ڈرامہ صرف ادب کا جزء بن کر نہ رہ گئے بلکہ انھیں اسٹیج بھی کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کی مخالفت عوامی سطح پر بھی کی جانے لگی۔ شری نیھے مل کا ستیہ دیو ناٹک (सत्य देव नाटक) پنڈت ردی دت شکل کا دیو اکشر چرتر (देवाक्षर चरित्र) رام غریب چترویدی کا ناگری ولاپ (नागरी विलाप) اور رتن چند دیکل کا ہندی اردو ناٹک ایسے ہی ڈرامے ہیں ان ڈراموں میں ہندی کو اردو سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور اردو رسم الخط پر بھی اعتراضات کئے گئے۔

نتھے مل نے ستیہ دیو ناٹک (सत्यदेव नाटक) میں ہندی اور اردو کی صورت بنا کر پیش کیا ہے۔ بھارت سنگھ ایک ہندو کردار ہے دوسرے کردار کو یون (مسلمان) کا نام دیا گیا ہے بھارت سنگھ ہندی اور اردو کا شوہر ہے لیکن اسے اردو زیادہ عزیز ہے۔ اردو اپنے بھائی یون کی مدد سے ہندی کو ختم کر دینا چاہتی ہے اردو اور ہندی کو شخصی روپ دے کر ڈرامہ نگار نے اردو کی مخالفت کا "حق" ادا کیا ہے۔ ڈرامہ کے آخر میں ڈرامہ نگار نے لارڈ رپن کی مدح کی ہے اور یہ امید کی ہے لارڈ رپن اردو کی حمایت نہ کریں گے بلکہ ہندی تحریک کا ساتھ دیں گے۔ دیو اکشر چرتر (देवाक्षर चरित्र) اور ناگری ولاپ (नागरी विलाप) میں بہت کچھ یکسانیت ہے ان دونوں ڈراموں میں ہندی کی حمایت میں درخواستیں دی گئی ہیں اور اردو رسم الخط کی مخالفت کی گئی ہے۔

اس زمانہ میں اردو زبان و ادب کے حامیوں کی تعداد کم نہ تھی یہ لوگ اردو کے حق کے لئے کوشش کر رہے تھے لیکن ہندی کے خلاف اس قسم کے سطحی خیالات نہیں پیش کیے گئے تھے جس قسم کے خیالات ہندی ادب میں اردو کے خلاف نظر آتے ہیں۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ شروع سے ہی لسانی مسئلہ کو فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی گئی یہ اختلاف ہندو مسلم اختلاف کو جنم دیتا ہے اردو تعصب کے ایسے گھناؤنے اظہار سے محفوظ رہی۔ ہندی کے ناقدین نے حالی کے مسدس اور سرسید کی کوششوں کو ہدف ملامت بنایا ہے چونکہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ حالی و سرسید نے صرف ایک فرقہ کے لئے ہی کام کیا اور اس فرقہ کو ملک کے قومی دھارے سے دور رکھا لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس زمانہ میں کون ایسا شخص تھا جو ہر مذہب اور ہر فرقہ کی فلاح

بہبود کے لئے کوشاں تھا۔ اس زمانہ کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اپنے ہم مذہبوں کی ترقی کا رجحان غالب تھا رہنماؤں نے اپنے ہم مذہب افراد کو آگے بڑھنے نئے حالات سے سمجھوتہ کرنے اور نئے تغیر کو جاننے پہچاننے کا پیغام دیا حالی اور سرسید بھی ایسے ہی رہنما تھے انھوں نے یہ کوشش کبھی نہیں کی کہ مسلمانوں کے ذہن کو پراگندہ کیا جائے اور انھیں متعصب بنایا جائے۔

اردو کے خلاف جو تحریک جاری تھی اس سے سرسید اچھی طرح واقف تھے انھوں نے اردو کی حمایت کی لیکن ہندی کی مخالفت اس انداز سے نہ کی جیسا انداز اردو کے مخالفین نے اختیار کیا تھا۔ سرسید چاہتے تھے کہ اردو کی تہذیبی اہمیت کا اعتراف کیا جائے۔ ہندی کے حامیوں نے عدالتوں سے اردو کے اخراج کی مہم شروع کی۔ سرسید اس مہم کے خطرات محسوس کر رہے تھے۔ اردو کی مخالفت کی لہر تیز ہوتی گئی۔ اردو کی مخالفت ان لوگوں نے بھی کی جو کانگریس کے بڑے رہنما تھے۔ ان میں مدن موہن مالوی اور پرشوتم داس ٹنڈن پیش پیش تھے۔ ہم آزادی کی تحریک پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ زبان کا مسئلہ بڑی الجھنیں پیدا کرتا رہا ہے۔ آزادی کی تحریک سارے ہندوستان کی تحریک تھی۔ اس ملک میں بہت سی زبانیں پڑھی لکھی اور بولی جاتی ہیں لیکن ٹکراؤ صرف اردو اور ہندی کے بیچ ہوا اس سے سیاسی تحریکیں متاثر ہوئی۔ ایک طرف فرقہ پرست ہندوؤں نے اردو کے مسئلہ کو فرقہ دارانہ رنگ دے دیا تو دوسری طرف مسلم لیگ نے بھی اردو کی زندگی اور موت کو مسلمانوں کی زندگی اور موت سے وابستہ کرکے سیاسی مقاصد حل کرنے کی کوشش کی۔

یہ تو سیاست کی باتیں ہیں لیکن جب ایک ادیب جذباتی ہو کر سیاست

کا کھلونا بن جاتا ہے تو اس کے بڑے بڑے نتائج ہوتے ہیں۔ اردو کی مخالفت اس طرح کی گئی کہ اس نے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ بھارتند و ہریش چندر کے عہد میں اردو مخالفت کی جو روایت پڑ چکی تھی وہ ختم نہ ہوئی بلکہ اس کی جڑیں اور زیادہ مضبوط ہوتی گئیں۔ تقریباً ان تمام تصانیف میں جو ہندی کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتی ہیں۔ چندر بلی پانڈے کا ذکر کسی نہ کسی طرح آجاتا ہے انھوں نے اردو کے بارے میں جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے انھیں بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اردو کا ادگم (उर्दू का उद्गम) اردو کی زبان اردو کا رہسیہ (उर्दू का रहस्य) اور بھاشا کا پرشن (भाषा का प्रश्न) ان کی تصانیف ہیں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو درباری زبان ہے اس کا عوام سے کوئی تعلق نہیں وہ 'دریائے لطافت' کے ان جملوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

"بہر حال اپنی سمجھ اور سلیقہ کے بموجب بہت غور و تامل کے بعد اس ہیچمدان کو یہ معلوم ہوتا ہے اور غالب ہے کہ یہ رائے ناقص درست ہو کہ شاہجہاں آباد کی زبان وہ ہے جو درباری پیشہ قابل اشخاص خوبصورت معشوقوں، مسلمان اہل حرفہ، شہروں اور امراء کے شاگرد پیشہ اور ملازموں حتیٰ کہ خاکروبوں کی زبان ہے یہ یہ لوگ جہاں کہیں پہنچتے ہیں ان کی اولاد دلی والی اور ان کا محلہ دلی والوں کا محلہ بن جاتا ہے اور اگر تمام شہر میں پھیل جائیں تو شہر اردو کہتے ہیں لیکن ان حضرات کا جمگھٹ سوائے لکھنؤ کے اور کہیں خاکسار کی رائے میں نہیں پہنچا اگرچہ مرشد آباد اور عظیم آباد کے باشندے اپنے زعم میں خود کو اردو داں اور اپنے شہر کو اردو

کہتے ہیں کیونکہ عظیم آباد میں دہلی والے ایک محلہ کے اندازے کے رہتے ہوں گے اور نواب صادق علی خاں عرف میرن اور نواب قاسم علی خاں عالیجاہ کے زمانہ میں یا اسی قدر یا اس سے کچھ زیادہ مرشد آباد میں ہوں گے،" سلہ

یہ اقتباس "اردو کی زبان اور بھاشا کا پرشن" میں نقل کیا گیا ہے وہ جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ بڑا دلچسپ ہے۔ لکھتے ہیں :-

"سید انشا صاف صاف کہتے ہیں کہ لاہور ملتان، آگرہ، الہ آباد کی وہ عزت نہیں جو شاہجہاں آباد دلی ہے - اسی شاہجہاں آباد میں اردو پیدا ہوئی ہے کچھ ملتان لاہور یا آگرہ میں نہیں" سلہ

چندر بلی پانڈے اور اودے نارائن تیواری انشا کے ان جملوں میں اپنے کام کی بات تلاش کر لیتے ہیں۔

"یہاں کے خوش بیانوں نے متفق ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعض عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کر کے اور زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی جس کا نام اردو رکھا" سلہ

اگر صرف ان جملوں پر ہی نظر رکھی جائے تو ہر ایک وہی نتیجہ اخذ کرے گا جو چندر بلی پانڈے یا ان کے مقلدین کرتے ہیں لیکن اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور اس دور میں زبان و ادب کے نظریات پر نظر رکھی جائے تو حقیقت

---

(۱) دریائے لطافت کا یہ اقتباس چندر بلی پانڈے نے "اردو کی زبان" (صـ۳ و صـ۴) اور بھاشا کا پرشن (صـ۱۰۹) میں نقل کیا ہے -

(۲) بھاشا کا پرشن چندر بلی پانڈے صـ۱۰۹

(۳) اردو کی زبان " " صـ۹

خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں نظریاتِ زبان و ادب کیا تھے اور آج کیا ہیں۔ زبان کی فصاحت کا اس زمانہ میں بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ "خوش بیانوں" نے جو کچھ کیا وہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس زمانہ میں اہل قلم نے زبان دانی کا جو معیار قائم کیا تھا اس کو ہی بنیاد بنا لینا دانشمندی نہیں۔ ایک طبقہ اپنی زبان دانی پر نازاں تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ انہوں نے زبان کو جو سمجھا اور اردو کی جو تعریف کی اسے سند مان لیا جائے اور اسے ہی حرف آخر سمجھ لیا جائے اس میں شک نہیں کہ دہلی اور لکھنؤ کے "زبان دانوں" کے خیالات نے اردو کے نکتہ چینیوں کو یہ رائے قائم کرنے میں مدد دی کہ اردو کا تعلق صرف مسلمان شرفاء امراء اہل حرفہ اور ان کے تعلق میں آنے والے ملازمین سے ہی ہے اردو کے نکتہ چین ان مفروضات کے حقائق پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے یہ خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ آج زبان و ادب کا جو تصور عام ہے وہ تصور اس زمانہ میں نہ تھا۔ اہل زبان اور شعراء و شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے اپنے علاوہ دوسروں کو ہیچ سمجھتے تھے انھوں نے اردو یا اردوئے معلیٰ کو محدود سمجھا اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ زبان صرف ان کی ہی میراث ہے ہم سب جانتے ہیں کہ یہ طلسم جلدی ہی ٹوٹ گیا زبان کا اصل رشتہ عوام سے ہی ہوتا ہے۔ اردو عوام سے گہرے تعلق کی وجہ سے ہی مشترک تہذیب کی آئینہ دار بن سکی۔ شعر و ادب ضرور طبقہ خواص کے ہاتھ میں رہا۔ اردو شاعری کے فروغ میں ابتداً مسلمان شعراء نے ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن غیر مسلم مصنفین کی بھی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ کچھ کو تو اساتذہ کی فہرست میں امتیازی حیثیت

حاصل ہے لیکن غیر مسلم انیسویں صدی کے نصف سے زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ بیسویں صدی میں تو مسلم اور غیر مسلم کی تفریق ہی نہ رہی۔ بہت سے غیر مسلم مصنفین مسلم مصنفین پر سبقت لے گئے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہی زمانہ اردو کی شدید مخالفت کا ہے ۔۔۔ زبان کسی کی اجارہ داری نہیں۔ دلّی اور لکھنؤ کے "خوش بیانوں" نے اپنی زبان دانی کا جو دعویٰ کیا تھا اسے ان کی خوش فہمی ہی کہہ سکتے ہیں۔ ایسی خوش فہمی جو کم ظرفی کی دلیل ہے۔ اردو عوام کی زبان تھی شعر و ادب پر خود کو بزعم خود خوش بیان کہنے والوں کی حکمرانی تھی لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہ تھی جو زبان کے وہ معیار پسند نہ کرتے تھے جو اس زمانہ میں قائم کئے گئے تھے۔

چندر بلی پانڈے نے اردو کی مخالفت مشغلہ کے طور پر اختیار کی۔ انہوں نے اردو کی مخالفت میں ہندی رسالوں میں مضامین لکھے۔ ان کی سرپرستی "ناگری پرچارنی سبھا" کاشی نے کی۔ ناگری پرچارنی سبھا کے جریدے میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔ یہ مضامین بعد میں کتابی صورت میں شائع کئے گئے۔ انھیں ہندی دنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اردو سے متنفر جدید نسل چندر بلی پانڈے کی ہی شاگرد معنوی ہے۔ ہندی زبان و ادب کے مورخین ان کے تصورات کو زیادہ قابل اعتبار اور ان کے نظریات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب سنیتی کمار چٹرجی جیسا ماہر لسانیات چندر بلی پانڈے کے خیالات ثبوت کے طور پر پیش کر کے اپنی دلیلوں کو تقویت بخشنے کی کوشش کرتا ہے۔

چندر بلی پانڈے اپنے نظریہ کے ثبوت میں جو اقتباسات پیش کرتے ہیں وہ اردو کے مصنفین کے ہی ہوتے ہیں۔ انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ اردو مصنفین کے نظریات کی روشنی میں ہی اپنی باتیں پیش

کردیں۔ ہندی کا پریم انھیں جذباتی بنا دیتا ہے وہ غلط نتائج اخذ کرتے ہیں اور حقائق توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ میں ٹکسالی زبان کا جو معیار قائم کیا گیا تھا اسے ہی پانڈے جی اور ان کے حامی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کا طرزِ استدلال صرف الفاظ کے الجھاؤ کا نام ہے ۔ وہ الفاظ کی بھول بھلیوں میں لے جاتے ہیں ان کے یہ جملے دیکھئے اندر خیال کی نہیں بلکہ چرب زبانی کی داد دیجئے۔

"خان آرزو کے مرتے ہی وقت نے پلٹا کھایا اسی کا برا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی ہندی زبان کا اخراج ہوا اور تیموری شاہزادوں اور بھکڑی فارسی پرستوں کی زبان کی ٹکسال قائم ہوئی جو کٹ چھنٹ کر سچ مچ اردو بن گئی" ؂۵

ہم جب چندر بلی پانڈے کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے عالمانہ سنجیدگی قائم نہیں رکھی۔ ان کی تحریریں معمولی قسم کے صحافتی مضامین سے زیادہ اہم نہیں ۔ وہ ہندی کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے اردو کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھوں نے اردو کو کیا اور کیسا سمجھا ہے ایک جملہ اور دیکھئے یہ ان کی تحریروں کا لب لباب ہے۔ لکھتے ہیں:۔

اپنے رام کو تو یہی سوجھتا اور جان پڑتا ہے کہ اردو حقیقتاً لال قلعہ میں پیدا کی گئی اور فارسی سے لد جانے پر مصلحتاً عام فہم بنائی گئی، زبان پیدا کی جا سکتی ہے اور اسی زبان کی شاندار تاریخ اندکیثر

؂۵ اردو کا رہسیہ چندر بلی پانڈے۔

ادبی سرمایہ بھی ہو سکتا ہے ۔ یہ ہمیں سب سے پہلے پانڈے جی ہی بتاتے ہیں ۔
ایسے غیر منطقی نظریہ پر صرف اظہار افسوس ہی کیا جا سکتا ہے ۔

ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی مشہور ماہر لسانیات ہیں ان کی تحریریں بڑی وقیع تصور کی جاتی ہیں ۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں سے انصاف کا دامن چھوٹ گیا ہے ۔ سیاست دانوں نے زبانوں کے ساتھ جو مذاق کیا اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے زبانوں کو جس طرح آلۂ کار بنایا اس سے ڈاکٹر چیٹرجی کے نظریہ میں یقیناً تبدیلی پیدا ہوئی ہے لیکن وہ اس جذباتی رو میں بہہ گئے تھے جسے ہم "رومانی تصور" کہہ سکتے ہیں زبان کے اس رومانی تصور نے کیسے کیسے مسائل پیدا کئے ہیں ان سے ہم سب واقف ہیں ۔[1]

ان کی مشہور تصنیف "انڈو آرین اینڈ ہندی" ہے ۔ ہمارے سامنے اس کا ہندی ایڈیشن ہے اسے "بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی" کا نام دیا گیا ہے اس تصنیف کے دوسرے حصہ میں اردو بھی زیر بحث آئی ہے اس حصے کو "نوتن بھارتی آریہ انتر پرادیشک بھاشا ہندی کا وکاس" کا نام دیا گیا ہے ۔ اس عنوان کو ہم اردو میں "ہند آریائی بین ریاستی زبان ہندی کا ارتقا" کہہ سکتے ہیں ۔ انہوں نے جہاں کبھی ہندی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں قوسین میں ہندوستانی لکھ دیا ہے اس سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی اہمیت دیتے ہیں ۔ چیٹرجی نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ اردو کی جڑیں کافی مضبوط ہیں لیکن وہ اردو کے آغاز و ارتقا کی جو وجوہات بیان کرتے ہیں اور اردو کو جو مقام دیتے ہیں وہ چندربلی پانڈے کے نظریات کی بازگشت سے زیادہ اہمیت

---

[1] آزادی کے بعد ان کے نظریات میں تبدیلی آگئی اور اب وہ ہندی کے کٹر حامی نہیں ہیں ۔

نہیں رکھتے۔ انھوں نے بھی چندر بلی پانڈے کی طرح اردو کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔

مذہب کی بنیاد پر زبان کی تقسیم نہ تو علمی ہے اور نہ سائنٹیفک۔ یہ بات اور ہے کہ کسی زبان کے بولنے والے یا اسے اپنی تہذیب و تمدن کا جو سمجھنے والے کسی ایک مذہب کے زیادہ تر افراد ہوں۔ ہندی کو ہندوؤں کی اردو کو مسلمانوں کی پنجابی کو سکھوں کی زبان کہنا مناسب نہیں۔ ہندوستان کی تقریباً تمام زبانوں میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ مل کر زبان و ادب کی خدمت کرتے نظر آتے ہیں۔ اردو کو بھی یہ عزت حاصل ہے۔ مگر افسوس کہ چیٹرجی جیسے عالم نے ہندو ہندی اور مسلمانی اردو کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

شاہ برہان الدین کی تصنیف "سکھ سہیلا" فارسی رسم الخط میں لکھی گئی ہے اس کا سرمایۂ الفاظ اور عروض رائج الوقت بولیوں کے ہیں چیٹرجی سکھ سہیلا کی زبان کو "ہندو ہندی" کہتے ہیں[۵۵]۔

چیٹرجی کا خیال ہے کہ دکن والوں نے فارسی رسم الخط صرف اس لئے اپنایا تھا کہ ان کی زبان مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رہے۔ یہ رائے اس شخص کی ہے جو مشہور ماہر لسانیات ہے چیٹرجی خود کو اردو کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ وہ بھی مخالفین اردو کے ہمنوا ہو جاتے ہیں اور انھیں کے نظریات کے ترجمان معلوم ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں "ہندو ہندی" یا "مسلمانی اردو" سوچنے والے موجود نہ تھے یہ تصور دورِ جدید کے ترقی یافتہ ذہن کی پیداوار ہے۔ اس زمانہ میں کس قدر شاندار ہندو مسلم اتحاد تھا اور تہذیبی اشتراک نے کیا صورت اختیار کر لی تھی یہ دکن کی تاریخ اور ادبیات دکن سے معلوم ہوتا ہے گری دس

نے ہسٹری آف دکن میں لکھا ہے:۔

"اس میں شک نہیں کہ اس تین سو سال کے زمانہ میں یعنی جب تک بیجاپور اور گول کنڈہ آزاد حکومت رہے ان دونوں ذاتوں میں یعنی ہندو اور مسلمانوں میں اتنا اتحاد و اتفاق تھا کہ ہندوستان میں کسی اور جگہ نہیں پایا جاتا۔" ۶

اہل دکن نے فارسی رسم الخط اس لئے اپنایا کیونکہ وہ اس رسم الخط سے اچھی طرح واقف تھے چٹرجی نے اس دور کے عمل کو آج کے متعصب ذہن کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے انھوں نے فارسی رسم الخط اختیار کرنے کی وجہ کی جو مزید وضاحت کی ہے وہ اور زیادہ دلچسپ ہے۔ ان کا خیال ہے شمال سے آئے ہوئے مسلمانوں کو ڈر تھا کہ اگر انھوں نے اپنی ہندوستانی کو چھوڑ دیا تو وہ زیادہ تعداد والے ہندو مراٹھوں، کنڑیوں اور تلنگوں میں ضم ہو جائیں گے۔ بقول چٹرجی:۔

"اس لئے انھوں نے اپنے ساتھ شمال سے لائی ہوئی ہندوستانی کو پکڑے رہنے کا عہد کیا کیوں کہ اس کے ذریعہ وہ دلی اور مسلم اقتدار اور تہذیب کے دوسرے مراکز سے اپنا تعلق قائم رکھ سکتے تھے وہ اپنی زبان کو فارسی رسم الخط میں لکھتے تھے تاکہ اس کی باگ ڈور یا ارتقا مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہے۔" ۷

چٹرجی نے دکنی مسلمانوں کے نظریۂ زبان اور رسم الخط کا ذکر جن الفاظ

---

(۶) ہسٹری آف دکن جلد اول — گری ولس — صفحہ ۲۹۴

(۷) بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی — ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی — صفحہ ۲۱۵-۲۱۴

ہیں کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح آج کے انسان کا ہر عمل سیاسی مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے اس زمانہ کے لوگ بھی ایسی مصلحتوں کا سہارا لیتے تھے۔ یہ تصور محض تصور ہے اس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ زمانہ آج کا زمانہ نہ تھا کہ لوگ اس طرح سوچتے کہ زبان صرف ان کی اپنی ہی میراث رہے انھوں نے فارسی رسم الخط اس لئے نہیں اپنایا کہ ان کی زبان اور رسم الخط دوسرے نہ سیکھ سکیں۔ فارسی رسم الخط سے وہ اچھی طرح واقف تھے اور غیر ارادی طور پر یہی رسم الخط ان لوگوں نے اختیار کیا۔ دکن کے یہ لوگ ہی کیا شمالی ہندوستان کے مسلمان صوفی شعراء نے اودھی میں شاعری کی لیکن انھوں نے اودھی فارسی رسم الخط میں لکھی، دیوناگری میں نہیں کیا ان کے بارے میں بھی یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے؟

افسوس کہ چٹرجی نے زبان کو تہذیب سے نہیں بلکہ مذہب اور سیاسی مصلحت سے منسلک کر کے حقائق تک پہنچنے کی راہ دشوار بنا دی۔ وہ "ہندوی" کو ہندوؤں کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اسے مسلمانی روپ دے دیا یعنی اردو، بنا دیا۔ چٹرجی نے اردو کو مسلمانی زبان کہا ہے۔ لکھتے ہیں ؂

> "رسم الخط کی وجہ سے اردو نے ملکی زبان تہذیبی زبان اور ہندوستان میں اسلام کی مذہبی زبان فارسی اور عربی سے ربط قائم کر لیا۔ رسم الخط کی یکسانیت کی وجہ سے اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی فطری طور سے داخل ہونے لگے۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ دخل پانے سے ایک تو مضمون نگار کے مذہبی اور تہذیبی نقطۂ نظر کا علم ہوتا ہے اور دوسرے مصنف کو اپنی مسلمانی زبان

کی علمیت دکھانے کا موقع ملتا تھا۔ اس طرح ہندوؤں کی زبان ہندوی
کو شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی خواہش اور جھکاؤ کے مطابق مسلمانی
شکل دے دی گئی۔؎

یہ صحیح ہے کہ فارسی اور عربی الفاظ کی ایک معقول تعداد اردو میں جگہ
پا گئی لیکن اس کی وجہ کٹر مذہبی نقطۂ نظر نہیں ہے۔ تہذیب کی اس لہر کو کیوں کر نظر
انداز کیا جا سکتا ہے جو بہت پہلے سندھ پنجاب اور وادی گنگ و جمن کی تہذیبی
دھارا میں سما چکی تھی۔ اس تہذیبی اختلاط کی وجہ سے فارسی اور عربی الفاظ کا
داخل ہو جانا لازمی تھا۔ پنجابی اور سندھی میں فارسی اور عربی الفاظ کی ایک معقول
تعداد ہے۔ سندھی رسم الخط کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ مراٹھی اور
گجراتی میں بھی عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ نے جگہ حاصل کر لی ہے۔

مراٹھی میں تقریباً پندرہ فیصدی الفاظ عربی و فارسی کے ہیں۔ بعض
مراٹھی الفاظ کی صوتی ساخت بھی عربی و فارسی سے بہت قریب ہے۔ مراٹھی میں
"ش" اور "ز" (ذ، ض، ظ) کا بڑا ہی شستہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اردو اور فارسی کے رشتہ کو تہذیبی اثرات کا نتیجہ کہنا چاہیئے نہ کہ مذہبی
اثرات کا۔ چٹرجی نے اردو کو عربی و فارسی سے اس طرح وابستہ کر دیا ہے گویا
یہ عربی و فارسی کا مرکب ہو۔ فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش سے زبان وضع ہوئی
خالص سنسکرت الفاظ کی توقع اس زمانہ کے مسلمانوں سے رکھنا تو دور کی بات
ہے اس عہد کے ہندوؤں سے بھی اس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہندوؤں
کا سنسکرت سے ایک مذہبی رشتہ ضرور تھا لیکن تہذیبی رشتہ ختم ہو چکا
تھا۔

؎ بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی صفحہ ۲۱۹-۲۲۰

چٹرجی نے ہندی کو "ہندو ہندوی" اور اردو کو "مسلمانی ہندی" کا نام دیا ہے۔ زبان کسی مذہب کی جاگیر نہیں۔ ہندی کو سارے ہندوستان کے ہندوؤں نے گلے نہیں لگایا اور نہ ہی کبھی سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان نہیں رہی۔ چٹرجی اردو اور ہندی کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ان زبانوں کو الگ الگ مذاہب سے وابستہ کر دیتے ہیں۔ چٹرجی اردو ہندی کی مخالفت اور دکن کی اردو پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"سترھویں صدی میں ہندو ہندی یا مسلمانی ہندی نہ تھی اور نہ اردو ہندی کی مخالفت تھی۔ دکن میں مسلمان مصنفین نے اسے ضرور ترقی دی پھر بھی جھگڑے کی خاص چیز اس کا سرمایۂ الفاظ زیادہ تر بھارتی یا ہندو ہی رہا...... اٹھارویں صدی میں ابتدائی اردو شاعروں کی تخلیقات میں ہندوستانی کا مسلمانی روپ اس طرح قائم ہو گیا اور اسی صدی میں ہندوؤں نے بھی ہندوستانی کا استعمال شروع کیا۔"[۹]

چٹرجی بھارتی (ہندوستانی) کو ہندو کے مترادف سمجھتے ہیں۔ چٹرجی جب اس انداز سے سوچ سکتے ہیں تو دوسروں کا کہنا ہی کیا۔ زبان کو کسی مذہب سے وابستہ کر دینا ایک غلط اصول ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں جہاں ہندو فنکار رہے ان کے لئے اردو ہندی اتنی ہی انجانی ہیں جتنی اردو ہندی والوں کے لئے ان کی زبانیں۔

بہت دنوں سے ایک مشورہ دیا جا رہا ہے کہ اردو کو دیوناگری رسم الخط

---

۹ بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی ص ۲۱۲

اپنا لینا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندی اور اردو کے جھگڑے کی بنیاد فارسی رسم الخط ہے۔ چٹرجی کا بھی یہی خیال ہے۔ چٹرجی اور دوسرے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس وقت جب اردو نے جنم لیا دیوناگری رسم الخط دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے وابستہ تھا۔ کھڑی بولی دوسری بولیوں کے مقابلے میں بہت ہی معمولی بولی تھی اس کی ادبی روایات تقریباً مفقود تھیں۔ آج اب پھر کوشش میں کھڑی بولی کے نمونے فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کے خالص نمونے (جن میں فارسی اور دوسری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش نہ ہو) فراہم کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ہندی کی ادبی روایات بہت پرانی ہیں اور اردو پر ہندی کو فوقیت حاصل ہے۔

کھڑی بولی سب سے پہلے اردو کے روپ میں نکھری۔ مسلمانوں کو اس بولی سے گہری وابستگی تھی اس لئے وہ ایسے کچھ اضافوں کے ساتھ ساتھ فارسی رسم الخط میں لکھنے لگے۔ نئے حروف کی تخلیق کی گئی۔ اس طرح اردو حروف تہجی کی تکمیل ہوئی۔ دیوناگری کو جان بوجھ کر نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جائسی اور اور دوسرے صوفی شاعروں نے فارسی رسم الخط اپنائے رکھا۔ حالانکہ اس وقت اودھی اور برج میں دیوناگری رسم الخط کا استعمال ہی عام تھا ان لوگوں نے فارسی رسم الخط اس لئے اختیار نہیں کیا کہ اودھی میں یہ رسم الخط رواج پا جائے اور اودھی پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو جائے — ان شاعروں کو فارسی زبان وادب سے گہری وابستگی کی وجہ سے فارسی رسم الخط میں لکھنا زیادہ آسان نظر آیا ہوگا۔ اسی طرح اردو بھی فارسی رسم الخط میں لکھی جانے لگی۔ اس زبان کے لئے جنوبی ہند کی کسی زبان کا رسم الخط

اختیار کرنا ناممکن تھا کیوں کہ یہ طبقہ ان زبانوں کے رسم الخط سے بالکل ناواقف تھا۔

افسوس کہ چٹرجی نے ان حقائق کو نظر انداز کر دیا ان کے یہ جملے تو اور زیادہ ناعاقبت اندیشی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ؎

" ہندوستان کی زمین پر ہی ہندوستان اور ہندوستانی تہذیب کے وجود کو نہ ماننے والے تصورات پرجب زبان اور ادب کی دھیرے دھیرے تعمیر ہوئی اسے ہندوستان کے لائق فرزند حیثیت دیے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ یہ ناممکن تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی زیادہ سنسکرت آمیز ہندی پیدا ہوئی " ؎[۱]

چٹرجی کے یہ الفاظ مخالفین اردو کے عقائد کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ان کے لئے ان " لائق فرزندوں " کے دل میں عقیدت پیدا ہو جاتی ہو گی جو فارسی رسم الخط پر دیوناگری رسم الخط اور عام فہم عربی و فارسی الفاظ کی جگہ سنسکرت کے نامانوس الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس انداز سے خیالات کا اظہار چٹرجی جیسے عالم کو زیب نہیں دیتا ان کے جملوں سے یہ غلط رائے قائم ہوتی ہے کہ اردو ہندوستانی تہذیب کی منکر ہے۔ اردو کا مزاج جمہوری مزاج ہے۔ اردو نہ تو ایران و عرب کے تہذیب و تمدن کی تشہیر کرتی ہے اور نہ ہی اس زبان کے ادب کے مطالعے سے ہندوستانی تہذیب و تمدن سے کسی قسم کے تنفر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب نے ہندو معاشرت اور مذہب کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اردو تہذیبی

---

[۱] بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی۔ ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی صفحہ ۲۲۳

اختلاط کی وجہ سے وجود میں آئی اور پروان چڑھی۔ افسوس کہ سیاست دانوں کی طرح ایک عالم کو بھی اردو زبان و ادب کا مزاج غیر ہندوستانی نظر آتا ہے۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ اردو شاعروں نے ہندوستانی عناصر کی طرف سے زبردستی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ یہ تصور تنگ نظری اور خام خیالی پر مبنی ہے چٹرجی لکھتے ہیں:۔

"ابتدائی دور کے شاعر ہندوستانی ندی پہاڑوں، ہمالیہ، گنگا، جمنا سندھ، نربدا یا گوداوری وغیرہ کا نام تک نہیں لیتے وہ نام بھی لیتے ہیں تو فارس کے انجان پہاڑوں اور چشموں کا اور وسط ایشیا کی ندیاں ان کے پاس ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ ہندوستانی پھولوں اور پودوں کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ ملتے ہیں تو فارس کے پھول پودے جنھیں شاعر صرف کہیں باغ میں دیکھ پاتا ہے۔ کوئی چیز بھی جس کا فارسی میں ذکر نہیں تھا یا ہندوستانی تھی اس کی طرف زبردستی سے آنکھیں بند کر لی جاتی تھیں۔" [۱۱]

ان جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ چٹرجی نے اردو ادب کا مطالعہ سنجیدگی سے نہیں کیا ورنہ وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار نہ کرتے۔ اردو کے مخالفین بغیر سوچے سمجھے اردو میں غیر ہندوستانی عناصر تلاش کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض محض قیاس پر مبنی ہے۔ معلوم نہیں اردو کے مخالفین کس قسم کی تحریروں کو اپنے نظریہ کی بنیاد بناتے ہیں۔ معترضین اس انداز سے اپنی بات کہتے ہیں گویا قدیم اردو شعرا کی بہت سی ایسی نظموں کا انھوں نے مطالعہ کیا ہو جن

---

[۱۱] بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی ص ۲۴۴

ہیں ایران یا وسط ایشیا کے ممالک اور وہاں کے مناظر سے گہری وابستگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اردو کی قدیم شاعری میں کہیں بھی منظر نگاری کی گنجائش نہ تھی۔ غزل میں تو منظر نگاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قصائد کی تشبیب اور مثنویوں میں منظر نگاری کی کچھ گنجائش ضرور تھی لیکن ان شاعروں نے یہ کوشش کبھی نہ کی کہ ان چیزوں کے ذکر سے زبردستی آنکھیں بند کر لیں جو ہندوستانی ہوں۔ قدیم اردو شاعری میں بھی ہندوستانی عناصر نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی عناصر کے ساتھ ساتھ ایرانی عناصر بھی ہیں لیکن ایرانی عناصر ہی سب کچھ نہیں۔ یہ اعتراض بالکل ہی بے بنیاد ہے کہ ہندوستانی عناصر کو قصداً نظر انداز کیا گیا۔

ہندی زبان وادب کی تاریخوں میں اردو بھی زیر بحث آجاتی ہے۔ مصنفین اردو کو ہدفِ ملامت بنانے سے نہیں چوکتے۔ اردو کے حامیوں پر فرقہ پرستی پھیلانے کا الزام بڑی آسانی سے لگا دیا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہندی کا ہندو تہذیب سے بھی رشتہ جوڑا جاتا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک تصور ہے جو قومی یک جہتی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ کشمیر سے کیرل اور مہاراشٹر سے ناگالینڈ تک ایک تہذیب ماننے والے زبان کے معاملے میں جب ہندو تہذیب کی بات کرتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کون سا قول درست ہے۔ ہندی کو ہندو تہذیب سے وابستہ کرکے کیا غیر ہندوؤں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ خود کو اس سے دور رکھیں۔ عام فہم عربی وفارسی الفاظ کے استعمال سے جب محض تعصب کی بنا پر گریز کیا جاتا ہے تو ایسے ذہنوں کے منصوبے صاف ظاہر ہوتے ہیں۔ سنیتی کمار چیٹرجی کا یہی خیال ہے کہ" قومی عظمت کا ذرا سا بھی احساس رکھنے والا یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ عربی وفارسی الفاظ سنسکرت الفاظ

کی جگہ استعمال کئے جایئں - چٹرجی لکھتے ہیں:-

"ذرہ برابر بھی اپنی قومی عظمت کا احساس رکھنے والا ایسا کون سا شخص ہے جو سائینس ادب اور فلسفہ کا تمام سرمایۂ الفاظ ہندو بھارت میں کبھی بھی غیر مروج نہ ہوئی سنسکرت کے سرمایۂ الفاظ کے موجود رہتے ہوئے ویسے ہی عربستان سے منگوانا چاہے گا۔" [۱۲]

اس اقتباس میں ہندو بھارت کا لفظ قابل غور ہے - کیا ان جملوں سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خالص ہندو تہذیب مشترک ہند ایرانی تہذیب پر چھا جائے اس لئے زبان سے ان تمام نقوش کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے جو اتحاد و اشتراک کی آئینہ دار ہیں - چٹرجی نے سنسکرت کی دہائی دی وہ اسے قومی زبان بنانے کے حق میں تھے انھوں نے ہندوستانی کے تصور کی بھی مخالفت کی انھیں قومی یک جہتی کے نام پر یہ تجویز پسند نہیں تھی — انھوں نے ہندوؤں کو سنسکرت اپنانے کا مشورہ دیا ان کے نزدیک سنسکرت کی زیادہ اہمیت ہے [۱۳]

چٹرجی نے اردو کے مسئلے کو مسلمانوں سے وابستہ کر دیا ہے انھوں نے مشورہ دیا ہے کہ اللہ یا خدا کے بجائے ، ایشور یا دیو رسول یا پیغمبر کی جگہ مہا پرش یا دیودت صلوٰۃ یا نماز کے بجائے ارچنا یا ونتی اور صوم یا روزہ کے لئے اُپواس یا لنگھن کا استعمال کریں وہ چاہتے ہیں کہ عربی و فارسی کے اثرات اردو سے ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے ہی ختم ہو جایئں - چٹرجی کی خواہش ہے کہ ہندوستانی زبانوں

---

[۱۲] بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی - ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی ص ۲۵۲

[۱۳] " " " " ص ۲۵۵

سے فارسی و عربی الفاظ الگ کر دئے جائیں۔ اردو بھی اس زد میں آجاتی ہے۔
اس معاملہ میں ان کا ذہن ایران اور ترکی کی اس تحریک سے غذا حاصل کرتا ہے
جس کا مقصد فارسی اور ترکی سے عربی کے اثرات دور کرنا تھا۔ چٹرجی کے اس
مشورہ نے اردو کے مخالفین کو بہت متاثر کیا ہے اگر اس نظریہ کو عملی جامہ
پہنانے کی کوشش کی جائے تو اردو کا کیا مستقبل ہوگا اس کا اندازہ لگانا
دشوار نہیں ایک جگہ بڑے ہی مایوس لہجے میں کہتے ہیں۔

" ابھی کل تک الہ آباد کے مسلمان اللہ کے بدلے گسّیاں (سنسکرت
گوسوامن) کا استعمال کرتے تھے اور ملک محمد جائسی و دوسرے مسلمان
مصنفین نے اللہ کے معنی میں کرتار، سائیں (سوامی) وغیرہ الفاظ کا
ہی استعمال کیا ہے۔" [۱۴]

چٹرجی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ یا خدا کی جگہ کرتار سوامی اور اسی قبیل کے
کے دوسرے الفاظ کا استعمال کرنا چاہیئے یہ نکتہ بڑا ہی دلچسپ ہے۔ ان
لوگوں کے لئے چٹرجی کی تجویز اور زیادہ اہم ہوجاتی ہے جو عہد جدید کے تمام نقوش
مٹانے کی جذباتی خواہش رکھتے ہیں اور ہندوستان کی تمام زبانوں کو سنسکرت آمیز
بنانا چاہتے ہیں۔ چٹرجی کے خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہم محسوس کرتے
ہیں کہ وہ جذبات کی رو میں بہ گئے ہیں انھوں نے زبان کے ارتقا کے بنیادی
اصولوں کو نظر انداز کردیا ہے۔ جائسی اودھی کا مصنف تھا اس لئے اس نے
خالص اودھی کا خیال رکھا ہے اس زبان میں کرتار گوسائیں یا سائیں کی
جگہ اللہ یا خدا کا استعمال نامناسب بھی تھا۔ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے

۱۴؎ بھارتی آریہ بھاشا اور ہندی ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی ص ۲۵۶

اللہ یا خدا کے لفظ کو کیوں ترجیح دیتا۔ جانسی ہی کیا آج بھی ان علاقوں میں بہت سے ایسے مسلمان مل جائیں گے جو گوسائیں، گوسیاں وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن ان کی زبان اردو نہیں ہے بلکہ اودھی یا بھوجپوری ہے۔ یہ مسلمان اردو کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اردو میں اللہ اور خدا ہی رائج ہے اردو کے غیر مسلم مصنفین اپنی تحریروں میں اللہ یا خدا کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ الفاظ اردو سرمایۂ الفاظ کا جز ہیں۔ وہ الفاظ جن کا بدل فراہم کر کے چیٹرجی نے ہمیں نیا تہذیبی شعور عطا کرنے کی کوشش کی ہے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ اردو کے لئے ہی یہ تجویز کیوں جب کہ دوسری زبانوں میں بھی عربی و فارسی الفاظ کی ایک معقول تعداد ہے۔

ہم نے سنیتی کمار چیٹرجی کے نظریات کا جائزہ بہت تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے چیٹرجی نے جس طرح اردو کی مخالفت کی ہے اور جس قسم کی دلیلیں پیش کی ہیں اردو کے دوسرے مخالفین نے بھی اسی قسم کا رویہ اختیار کیا ہے تمام اہل قلم ایک سی ہی بات کرتے ہیں سب ہی زبان سے مذہب کو وابستہ کرتے ہیں چیٹرجی کی طرح ڈاکٹر دھیریندر ورما نے بھی زبان کو ہندو مذہب اور مسلمان مذہب کے خانوں میں تقسیم کیا ہے شلہ عالموں کی زبان سے ایسی باتیں بڑی ہی نامناسب معلوم ہوتی ہیں یہاں ان میں اور معمولی درجہ کے سیاستدانوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ایک زبان سے کسی فرقہ کے زیادہ تر افراد کو گہری وابستگی ہو سکتی ہے اس وابستگی کو جرم تصور کرنا دانش مندی نہیں ہم ہندی کو ہندوانی اور اردو کو مسلمانی کہنا پسند نہیں کرتے معلوم نہیں یہ دانشور انگریزی کو کس مذہب سے وابستہ

کرتے ہیں ۔ غالباً ان کے نزدیک انگریزی کا مذہب عیسائیت ہوگا ۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ادب کی تخلیق میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی نظر آتے ہیں ان زبانوں پر نہ تو اہل عرب کی چھاپ ہے اور نہ اہل ایران کی ۔ ان زبانوں کا مذہب کیا ہوگا ؟ اردو زبان و ادب کے فروغ میں ہندوؤں اور سکھوں نے بھی حصہ لیا ہے ۔ اردو کے بہت سے غیر مسلم اہل قلم امتیازی حیثیت کے مالک ہیں اور اردو کی ترقی و تحفظ کے سچے دل سے خواہاں ہیں ہندی ادب میں بھی بہت سے مسلمان نام نظر آتے ہیں ایسی صورت میں زبان کی مذہب کی بنیاد پر تقسیم بے معنی ہے ۔

اودے نرائن تیواری نے ایک دوسرے انداز سے ہندی کی فوقیت و برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ہم ہندوستانی ہندی اور اردو کی اہمیت و حقیقت سے واقف ہیں مختلف زمانوں میں اردو مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی ہے ۔ غالب کے عہد تک اردو کو اردو اور اردوئے معلیٰ کے ساتھ ساتھ ہندی بھی کہا جاتا رہا ہے لیکن اردو کے مخالف اس ہندی اصطلاح کو اردو کا مترادف نہیں بلکہ آج کی ہندی کا مترادف قرار دیتے ہیں انگریزوں نے اردو کے لئے عموماً ہندوستانی کا استعمال کیا ہے ۔ ہندوستانی وہ زبان تھی جو عوام بولتے تھے اور جس سے یوروپ سے آنے والے دوچار ہوتے تھے ۔ گلکرسٹ جب بمبئی کے ساحل پر اترا تو اس نے وہاں ہندوستانی ہی سنی ۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ سودا کے دیوان سے اسے ہندوستانی سیکھنے میں مدد ملی ۔

لیکن اودے نرائن تیواری کا خیال ہے کہ ہندوستانی کا لفظ ہندی کے

لئے ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بابر کے اس جملے کو وہ ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

"میں نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور جو کچھ میں نے کہا اس کی تشریح کرنے کے لئے ایک ایسا آدمی چاہا جو کہ ہندوستانی زبان سمجھتا ہو۔"[۱۶]

تیواری نے ہابسن جابسن کے ان جملوں سے بھی اپنے کام کی بات اخذ کر لی ہے۔

"۱۶۱۶ء۔ اس کے بعد انھوں نے (ٹام کوریٹ نے) اندوستان یا گنواری زبان میں پوری مہارت حاصل کر لی۔ سفیر (کوریٹ) کی قیام گاہ میں ایک ایسی چرب زبان عورت تھی جو سورج نکلنے کے وقت سے سورج غروب ہونے تک ڈانٹ ڈپٹ اور شور غل کیا کرتی تھی۔ ایک دن انھوں نے (سفیر نے) اسے ایسی زبان میں ڈانٹا اور آکڑ بکتے بکتے اس کی ایسی گت بنا دی کہ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی"[۱۷]

ان اقتباسات سے تیواری نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے: ——

"اوپر کے دونوں اقتباسات میں ہندوستانی سے واضح مراد ہے ہندی۔ بابر کے عہد میں تو اردو کا نام وجود میں بھی نہ آیا تھا۔۔۔ ۱۶۱۶ء کے اقتباس میں تو ہندوستانی کو واضح طور پر گنواری زبان کہا گیا ہے اس لئے یہاں ہندوستانی سے کسی طرح اردو مراد نہیں ہو سکتی"[۱۸]

---

(۱۶) میموریز آف جلد دوم [۱۷] ہابسن جابسن صفحہ ۳۱۷

(Terry Extract relating to T.C Hobson — Jobson P 317)

(۱۸) ہندی بھاشا کا ادگم اور وکاس اودے نرائن تیواری

تیواری جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ بابر نے جس زبان کو ہندوستانی کہا ہے وہ ہندی ہے۔ ہابسن جابسن نے بھی زبان اندوستان (ہندوستان یا ہندوستانی) ہندی کو ہی کہا ہے۔ تیواری کا یہ نظریہ قیاس آرائی پر مبنی ہے۔ نہ جانے کیسے وہ یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ ہندوستانی صرف ہندی کو ہی کہا گیا ہے۔ تیواری نہ جانے کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوستانی صفت ہے جس کے معنی ہندوستان کی زبان کے بھی ہوتے ہیں۔ ہندی کے معنی ہند سے تعلق رکھنے والی شے کے ہیں۔ تیواری نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لفظ ہندوستانی ابتداً ہندی کا مترادف تھا بعد میں اردو کا مترادف ہو گیا۔ انہوں نے اپنے نظریہ کی بنیاد ہابسن جابسن کے ان جملوں کو بنایا ہے۔

"ہندوستانی لفظ دراصل صفت ہے لیکن اسم کی شکل میں اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ۱۔ ہندوستان کا باشندہ ب ہندوستان کی زبان یہی جنوب کے مسلمانوں کی بھی زبان ہے۔ آگرہ اور دہلی کے آس پاس کی ہندی میں فارسی اور دوسرے غیر ملکی الفاظ ملانے سے یہ ترقی پذیر ہوئی اس کا دوسرا نام اردو بھی ہے۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں بین الریاستی استعمال کی زبان تھی ملک کے زیادہ تر حصوں میں اور مختلف طبقات کے لوگوں میں یہ اسی صورت میں استعمال ہوتی رہی حالانکہ مدراس میں یہ بہت کم مستعمل ہے لیکن وہاں بھی دیسی سپاہی اپنے افسروں سے اسی میں بات چیت کرتے ہیں پرانے اینگلو انڈین اسے مور کہا کرتے تھے۔"[۱۹]

---

۱۹ ہابسن جابسن ص ۴۱۷ منقول از ہندی بھاشا کا ادگم اور وکاس از اودے نرائن تیواری

تیواری ان جملوں سے نہ جانے کیسے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان سورس یعنی مسلمانوں کی زبان ہندی ہی تھی وہ لکھتے ہیں :-

"اس طرح مسلمانوں کی سور زبان کی کیا شکل تھی یہ ظاہر ہوجاتا ہے یہ ہندی کے علاوہ دوسری زبان نہیں تھی اور اس کا رسم الخط بھی ناگری تھا " ۲۰ ؎

ان کا خیال ہے کہ شروع میں لفظ ہندوستانی ہندی کا مترادف تھا لیکن انیسویں صدی میں یہ لفظ اردو کا ہم معنی بن گیا۔ ۲۱ ؎

تیواری کی یہ وضاحتیں بہت ہی مبہم اور گمراہ کن ہیں ۔ ان سے اردو کی قدامت اور اہمیت بالکل متاثر نہیں ہوتی ۔ بنیادی چیز تو زبان کی ساخت ہے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ زبان جسے ہندوستانی کہا گیا ہے کیسی زبان تھی مان بھی لیجیئے کہ لفظ ہندوستانی ہندی کا مترادف تھا اور بعد میں اردو کے لئے استعمال ہونے لگا لیکن وہ ہندی کیسی تھی یہ بھی اقتباس بالا سے ثابت ہوتا ہے ۔ اس ہندی میں فارسی اور دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہوگئے تھے اور اس کا جز بن گئے تھے ۔ تیواری نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ پہلے اردو کو ہندی ہی کہا گیا لیکن اس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکالا جاسکتا کہ ہم جس زبان کو آج ہندی کہتے ہیں وہی ہندی اس زمانہ میں بھی رائج تھی ۔ سرمایۂ الفاظ اور ادبی روایات کو دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عہد قدیم میں ہندی کہی جانے والی زبان اردو ہی تھی ۔ اردو کے مخالفین صرف ہندی کی اصطلاح کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور قصداً اس ہندی (اردو) کی ان تہذیبی روایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے یہ زبان وجود میں آئی ۔

گریرسن کے یہاں ہندوستانی کا جو تصور ہے اس کی تیواری نے نکتہ چینی کی ہے لسانی جائزے (Linguistic Survey) کی نویں جلد کا حصہ اول ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔ اس وقت اردو اور ہندی کا مسئلہ شباب پر تھا وہ اردو اور ہندی کو ہندوستانی کے دو مختلف اسالیب کہتے ہیں۔ اردو اور ہندی کا فرق واضح کرنے کے لئے اس سے بہتر تعریف ممکن بھی نہ تھی۔ اودے نرائن تیواری گریرسن کے نظریہ سے متفق نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ "شمالی ہندوستان میں ہندوستانی کے روپ میں کبھی کوئی ایسی مقبول عام زبان وجود میں نہیں آئی جس کا ہندو مسلمان ایک طرح سے استعمال کرتے تھے اور جو ناگری یا فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی"[۲۲]

تیواری پادری کیلاگ کی قواعد کے مقدمہ کو مستند مانتے ہیں۔ اس نے ۱۸۷۵ء میں لکھا تھا کہ شمالی ہندوستان کے زیادہ تر لوگ ہندی بولتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :-

"ہندوستان کی پچپن کروڑ مختلف زبانیں بولنے والی آبادی میں سے ۶۰۷ کروڑ ہندی بولنے والے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں ہندی بنارس، الہ آباد سے لے کر ہمالہ کے گنگوتری، کیدار ناتھ اور بدری ناتھ تک بولی جاتی ہے اس کے علاوہ مہاراجہ سندھیا، جے پور اور راجپوت راجاؤں کے راج میں بھی رائج ہے مختصر یہ کہ اس کا پھیلاؤ چوبیس لاکھ مربع میل کے رقبہ میں ہے۔ صرف بڑے بڑے شہروں میں مسلمان اور دفتروں کی وجہ سے لوگ فارسی آمیز ہندی (جسے اردو بھی کہتے ہیں) کا استعمال کرتے ہیں"[۲۳]

---

۲۲ و ۲۳ ہندی بھاشا کا ادگم اور وکاس۔ اودے نرائن تیواری صفحہ ۱۹۲-۱۹۱

ایسے ہی خیالات اردو کے مخالفین کو اردو کی محدودیت اور ہندی کی وسعت کا یقین دلا دیتے ہیں اور وہ اردو کو صرف ایک طبقہ کی زبان سمجھنے لگتے ہیں۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب کے نشو و نما کے ابتدائی دور میں مسلم طبقہ پیش پیش رہا ہے لیکن زبان کا عوام سے جو رشتہ ہوتا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جس زبان کو آج ہندی کہتے ہیں وہ وہ عوام میں کبھی بھی رائج نہیں رہی۔ بیسویں صدی میں ضرور اسے فروغ حاصل ہوا اور آزادی کے بعد ہندی کو جو مرتبہ حاصل ہوا اس سے ہندی کے فروغ کی رفتار تیز ہو گئی لیکن جب کیلاگ نے قواعد لکھی تھی اس وقت ہندی کا اتنا رواج نہ تھا اس زمانہ میں تو ہندی تحریک وجود میں آئی تھی کیلاگ کے جملوں سے یہ وضاحت نہیں ہوتی کہ ہندی سے وہ کیا مفہوم مراد لیتا ہے یقیناً ہی اس نے مختلف بولیوں کو ہندی تصور کیا ہے ۱۸۷۵ء میں کیا ۱۹۷۵ء میں بھی ہندی نہ تو راجستھان کے عوام کی زبان ہے اور نہ مدھیہ پردیش اتر پردیش اور بہار کے لوگوں کی زبان — ان علاقوں میں مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں ہندی ان بولیوں سے بالکل ہی مختلف ایک ترقی یافتہ زبان ہے جسے دوسری ہندوستانی زبانوں پر امتیازی حیثیت حاصل ہے اسے ایک طبقے کی مادری زبان کی حیثیت بھی حاصل ہے لیکن یہ شمالی ہندوستان کے تمام لوگوں کی زبان نہیں ہے —

ہندی کے دوسرے کٹر حامیوں کی طرح تیواری بھی اردو کو ہندی کی ایک شیلی (اسلوب) کہتے ہیں اور اردو کو ہندی میں ضم کرنے دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں انھیں بھی اردو کے دوسرے مخالفین کی طرح اردو میں غیر ملکی جذبات و احساسات کی ترجمانی نظر آتی

ہے۔ انھوں نے دبی زبان سے اردو کی تہذیبی اہمیت کا اعتراف کیا ہے لیکن انھیں اردو میں غیر ملکی جذبات و احساسات زیادہ نظر آتے ہیں۔ ۵۴؎ اردو کے مخالفین عہد قدیم کے اردو شاعروں سے کس قسم کے جذبات کی امید کرتے ہیں یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قومی تصور کی جو امید وہ اردو کے قدیم شاعروں سے رکھتے ہیں وہ ہندی کے شاعروں میں بھی کہاں نظر آتا ہے۔

اردو اور ہندی کی کشمکش کی تاریخ بڑی طول طویل ہے ہم نے یہاں ان چند مصنفین کی تحریروں کا جائزہ لیا ہے جو بہت ہی اہم ہیں۔ اردو کی مخالفت کم وبیش اس انداز پر ہی کی جاتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زبان کے مسئلے کو کس قدر سطحی بنا دیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے لائق مصنفین نے لسانی مسائل سمجھنے کے لئے فہم وشعور کو زحمت نہ دی ورنہ وہ ایسے رویہ کے مرتکب نہ ہوئے جس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھ جاتا جب اردو ہندی کی کشمکش کا آغاز ہوا اس وقت سے ہی اردو کے حامی اردو کی تاریخی و تہذیبی اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں کچھ سیاستدانوں نے ضرور اس مسئلہ کو مسلمانوں کا مسئلہ بنا کر پیش کیا لیکن جہاں تک ہمارے مصنفین کا تعلق ہے انھوں نے زبان کے مسئلے کو سیاست سے وابستہ نہ ہونے دیا۔ ہمارے اہل قلم ہمیشہ سے ہی اردو کو قومی اتحاد کے لئے ضروری سمجھتے رہے ہیں نہ آزادی سے قبل ہندی کی مخالفت کی گئی نہ آزادی کے بعد۔ ہندی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی کی بھی خواہش ظاہر کی گئی اس کے برخلاف اردو کے مخالفین نے مخالفت کا ہر حربہ استعمال کیا۔ لسانی مسئلہ کو مذہبی اور سیاسی مسئلہ بنا کر

پیش کیا۔ اردو اپنانے اور اردو کے حق کی بات کرنے کو پسند ہی نہ کیا گیا بلکہ اسے لوگوں کی ہندوستانی قومیت پر شبہہ ظاہر کیا گیا اس طرح لسانی مسائل پر سوچنا بہت ہی خطرناک اور ملک کے لئے نقصان دہ ہے۔

"اردو اور ہندی مخالف نہیں، معاون زبانیں"

اردو کو ہندی کا حریف سمجھنے والے ایک قسم کے احساس کمتری کا شکار ہیں وہ اردو کے مسئلہ کا حل صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اردو رسم الخط کی جگہ دیوناگری رسم الخط اختیار کرلیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ رسم الخط کی تبدیلی سے اردو ہندی کے قریب آجائے گی۔ ان کا مقصد حقیقتاً یہ نہیں ہے کہ اردو ہندی کے قریب آئے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اردو ہندی میں ضم ہوجائے۔ ایک ایسی زبان کو کس طرح ختم ہونے دیا جائے جس کا بہت ہی شاندار ماضی ہے اور جو ہماری گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ اردو کے لئے دیوناگری رسم الخط کی تجویز پیش کرنے والوں اور اس تجویز کی حمایت کرنے والوں کا جذبۂ قومیت بظاہر بہت ہی پرخلوص نظر آتا ہے۔ ملک کی بہبود کے لئے قومی یکجہتی بہت ضروری بھی ہے ذہن اس طرف مائل بھی ہوتا ہے کہ ایسا ہی کیوں نہ کیا جائے لیکن ہندی کے کٹر حامی ہمیں کوئی فیصلہ کرنے سے روک دیتے ہیں زیادہ تر سیاستداں صحافی شاعر، ادیب نقاد و محقق بڑے ہی تنگ نظر، نظر آتے ہیں۔ ہندی زبان و ادب کے مورخین اور ماہرین لسانیات نے جس انداز سے ہندی کے ارتقا کی تاریخ لکھی ہے اور جس طرح اردو کے وجود کو ہی ماننے سے انکار کیا ہے۔ اسے نظر انداز

نہیں کیا جا سکتا ۔ کچھ لوگوں کا زور قلم یہ ثابت کرنے پر صرف ہوا ہے کہ اردو کی
حمایت کرنے والے ، انھا دیّہ ، دغیر ہندوستانی) ہیں ۔ قومیت ہندوستانیت ہندوستانی
تہذیب اور دیوناگری کی دہائی دے کر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا رہا ہے ایک طرف اردو
کو ہندی کے قریب لے آنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دوسری طرف کسی نہ کسی طرح
اردو کو ہندی کی ایک مخالف زبان کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے
قول دعمل کے اس تضاد کی وجہ سے ہم اردو کو ہندی کے قریب لے آنے کی ان
تجاویز کو بہت بڑا فریب سمجھتے ہیں ۔

اردو والوں نے ہندی کی کبھی مخالفت نہیں کی ۔ اس رویہ کے خلاف آواز
ضرور بلند کی کہ اردو کی جگہ ہندی کو دے دی جائے بچوں کو اردو ذریعہ تعلیم سے ہی
نہیں بلکہ بحیثیت ثانوی زبان بھی اردو پڑھنے سے محروم کر دیا جائے ۔ ہندی کی ترقی
کے نام پر اردو کو مٹانے کی کوشش کی جائے ۔ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی ، اردو
والوں کو نہ توفیق ہوئی اور نہ غالباً ہو سکتی ہے ۔ جنوبی ہندوستان میں ہندی کی
مخالفت میں جو کچھ ہوا اسے ہم نے کبھی اچھا نہ سمجھا تشدد اور قومی سرمائے کو
نقصان پہنچانے کی کوشش کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ۔ ہم نے دوسری علاقائی
زبانوں کی اہمیت کا بھی اقرار کیا ہے ۔ آندھرا پردیش میں تیلگو ، مہاراشٹر میں مراٹھی
کے مرتبہ و مقام کو کبھی چیلنج نہیں کیا ۔ شمالی ہندوستان میں ہندی کی اہمیت کو بھی
تسلیم کیا ہے ۔ جب یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اردو کو بھی اس کا حق دیا جائے تو ہم
پر تنگ نظری ، فرقہ پرستی اور غداری کا الزام لگایا جاتا ہے ہمارے مطالبات کو
ہندی کی مخالفت سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے ۔

اردو اور ہندی ایک دوسرے کی نہ تو مخالف زبانیں ہیں اور نہ ہو سکتی
ہیں انھیں ایک دوسرے کی معاون زبان ہی کہا جا سکتا ہے ۔ اردو میں ہندوستانی

عناصر پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہندوستانی عناصر "ہندوستانیت اور بھارتیتا" کی تاویل کی جاتی ہے اور تہذیب کو "شدھ" (خالص) رکھنے کا جو تصور ہے وہ تنگ نظری کی دلیل ہے۔ اردو زبان و ادب کو اس مشترک تہذیبی پس منظر میں دیکھنا چاہیے جو ہندو مسلم تہذیبوں کے اتصال سے وجود میں آیا۔ اردو، اس کا سرمایۂ الفاظ اور رسم الخط اس مشترک تہذیب کی علامات ہیں۔ اردو زبان و ادب کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لئے بغیر یہ کہا جاتا ہے کہ اردو پر فارسی غالب ہے اس سے انکار ممکن نہیں کہ اردو پر فارسی کے گہرے اثرات ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس
سے انکار ممکن نہیں کہ اردو پر فارسی کے گہرے اثرات ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس
نے ہندوستانی الاصل عناصر کو نظر انداز کیا ہے۔ اردو میں عربی و فارسی حروف کے ساتھ ساتھ وہ ہندوستانی حروف بھی پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں جو عربی و فارسی میں نہیں ہیں جیسے :-

ٹ (ट)، ڈ (ड)، ڑ (ड़) اور ایسے حروف جنھیں ایک مکمل اکائی کی شکل میں اردو میں لکھنا ممکن نہ تھا، انھیں دو حروف ملا کر لکھا جانے لگا جیسے :-

کھ (ख) گھ (घ) چھ (छ) جھ (झ) ٹھ (ठ) ڈھ (ढ)
ڑھ (ढ़) تھ (थ) دھ (ध) پھ (फ) بھ (भ)

اردو اور ہندی کا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ اردو میں مستعمل ہندی الفاظ کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ اردو کا سرمایۂ الفاظ کھڑی بولی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ غیر ملکی الفاظ پر مشتمل ہے اردو نے سنسکرت الفاظ کو اصل کے مطابق اختیار نہ کیا بلکہ اس شکل کو اپنایا جو عوام میں رائج تھی۔ عموماً تدبھو روپ ہی اختیار کئے گئے۔ کسی زبان میں دوسری زبان کے الفاظ

بیں ہی داخل نہیں ہو جاتے۔ ماحول و معاشرے کے تقاضے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ زبان اپنی صوتیات کے ساتھ الفاظ بھی اپناتی ہے اور اگر دوسرے الفاظ اپنانے پر مجبور ہوتی ہے تو اپنی زبان اور اس کی صوتیات کے مطابق ہی انھیں ادا کرتی ہے اردو میں استعمال کئے جانے والے ہندی الفاظ دونوں ہی قسم کے ہیں۔

اردو میں ہندی الفاظ کی کبھی آمیزش ہوئی اور کبھی بہت سے ہندی الفاظ متروک قرار دئے گئے لیکن اردو کا دامن کبھی بھی ہندی الفاظ سے خالی نہ رہا۔ ان کی تعداد ضرور گھٹتی بڑھتی رہی۔ اردو کا نقش اول دکنی اردو ہے یہ عہد ہند ایرانی تہذیب کے گہرے ربط و اتصال کا عہد ہے۔ بیرون ہند سے آنے والے یہاں کے ماحول اور یہاں کی تہذیب میں رچ بس گئے۔ زبان و ادب اور تہذیب و معاشرت نے ایک نئی شکل اختیار کی دکن کے شاعروں نے ہندی الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ یہ زبان تہذیبی و تمدنی اتصال کے ساتھ ساتھ لسانی اتصال کا دلکش نمونہ ہے بکثرت استعمال کئے گئے چند الفاظ۔ سجن، نین، بچن، جتن، مکھ پیا، جنم، درپن، دیس، نیر، برہ، کندن، کیس، چندر، سندر، روپ وغیرہ ہیں۔ یہ الفاظ اور ایسے ہی بہت سے الفاظ کا تلفظ کہیں اصل کے مطابق ہے اور کہیں بدلی ہوئی شکل میں ہے۔ ہم معنی متبادل فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال بھی کیا گیا ہے دکن کی غزل نے تو گیت کی روایات کو اپنا لیا تھا۔

جب دکن کے بعد شمال اردو کا مرکز بنا تو وہاں بھی عرصہ تک زبان ہندی آمیز رہی۔ فارسی مرکبات، تراکیب، تشبیہات و استعارات کی تعداد دھیرے دھیرے بڑھنے لگی۔ دکن کے دوسرے شاعروں کے مقابلہ میں ولی کے یہاں ہندی الفاظ بہت کم ہیں لیکن پھر بھی ایسے الفاظ کی خاصی تعداد نظر آتی ہے جن میں ہندی الفاظ کا استعمال ہوا ہے ولی نے اہل شمال کو متاثر کیا اور ان کا طرز مقبول بھی ہوا لیکن شمال میں اردو شاعری کے دور اوّل کا لسانی مطالعہ دکن کے مقابلہ میں کم دلچسپ نہیں ہے

اس دور میں ہندی الفاظ کا استعمال ایک خاص تناسب میں ہوا ہے لیکن اسلوب اردو کا ہے۔ جعفر زٹلی عرصہ تک، تنگ بند، فحش گو اور غیر معیاری شاعر سمجھا جاتا رہا ہے۔ دہلی کے سیاسی اور اخلاقی زوال کی مکمل تصویر اس کی شاعری میں نظر آتی ہے اس نے ہندی الفاظ کو فارسی رنگ میں رنگنے کی دلچسپ کوشش بھی کی۔

جعفر اور اس کے معاصرین کے علاوہ عہد متوسط کے دوسرے شعراء نے بھی ہندی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ان کے علاوہ دوسری اہم شخصیت میر کی ہے۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں ہندی الفاظ کا دلکش استعمال نظر آتا ہے۔ قصیدوں میں بھی ہندی الفاظ کی کمی نہیں ہے ریختی میں ہندی محاورے، روزمرہ اور الفاظ کی بڑی تعداد نظر آتی ہے نواب واجد علی شاہ کے عہد میں ڈرامہ و موسیقی کو فروغ ہوا وہ خود بھی شاعر ماہر موسیقی اور اداکار تھے ان کا دربار مشترک ہندوستانی تہذیب کا نمائندہ تھا۔ اس ماحول و معاشرہ کا اثر اس عہد کے اہل قلم کی زبان پر بھی نظر آتا ہے۔

ولی، حاتم، مظہر اور آخر میں ناسخ نے بہت سے ہندی الفاظ متروک قرار دیئے لیکن ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہندی الفاظ کا استعمال ہی نہ کیا جائے۔ ان کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ زبان کو دلکش اور خوب صورت بنانے کے نقطۂ نظر سے انھیں الفاظ کے استعمال کو روا رکھا جائے جو اردو سے مزاجی مطابقت رکھتے ہوں۔

نثری سرمایہ جو داستانوں پر مشتمل ہے میں بھی ہندی الفاظ کی آمیزش ہے اور نثر کے ابتدائی نمونے صوفیاء کے رسائل ہیں ان رسائل کی زبان ہندی آمیز ہے۔ وجہی کی سب رس پہلی ایسی تصنیف ہے جو زبان و ادب دونوں ہی حیثیتوں سے ممتاز ہے سب رس میں ہندی الفاظ ہی نہیں،

ہندی محاورات، اقوال اور دوہے وغیرہ بھی نقل کئے گئے ہیں چند نثری تصانیف ایسی ہیں جن پر اردو اور ہندی دونوں ہی کا یکساں حق ہے انشاؔ کی رانی کیتکی، مظہر علی ولا اور للو لال کی بیتال پچیسی وغیرہ ایسی تصانیف ہیں۔ فسانۂ عجائب کا اسلوب جس قدر پیچیدہ، پر تصنع اور عربی و فارسی کا اسیر ہے باغ و بہار اسی قدر سادہ و سلیس ہے ہندی الفاظ کی کثیر تعداد اس داستان میں اور دوسری داستانوں میں نظر آتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں سیاسی تغیر کے ساتھ ساتھ ایک تہذیبی لسانی تغیر بھی آیا اب تک شاعری کو ہی زیادہ اہمیت حاصل تھی اب نثر پر بھی توجہ دی جانے لگی۔ شاعری و نثر کی زبان کو عوامی زبان کے قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ ایک بار پھر اردو کے دامن میں زیادہ ہندی الفاظ جگہ حاصل کرنے لگے۔ تنقید و دیگر علمی تصانیف میں ایسا اسلوب اختیار کرنا ممکن نہ تھا لیکن سماجی و اصلاحی مضامین میں ارادتاً ہندی الفاظ شامل کئے گئے۔ حالیؔ کی نظموں میں ہندی کے نرم و شیریں الفاظ نظر آتے ہیں اس لحاظ سے مناجات بیوہ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس نظم میں مستعمل چند الفاظ پیت، ریت، پیتم، بپتا، دکھیا۔ بیکل، سنسار، کندن سبھا، ابر، سہاگن، سجن، بردگن وغیرہ ہیں۔

داغؔ، امیرؔ اور ان کے شاگردوں کے یہاں وہ دقت پسندی نہیں ہے جو لکھنؤ کا طرۂ امتیاز تھی۔ عام فہم فارسی و عربی الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندی محاورے روزمرہ اور الفاظ کافی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ داغؔ کا مشہور شعر ہے ؎

کہتے ہیں اسے زبان اردو
جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

آرزو لکھنوی نے فارسی تراکیب و اضافتوں کے استعمال سے گریز کیا۔ عظمت اللہ نے ہندی الفاظ ہی کا استعمال نہ کیا بلکہ ہندی اسلوب و عروض اختیار کرنے کی بھی وکالت کی۔ محسن کاکوروی کا قصیدہ سے

ع سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

شاعر کے اس جذبہ کا مظہر ہے کہ وہ ہندوستان کے ذرہ ذرہ سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور مذہبی عقیدہ اس راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ اس قصیدہ میں ہندوستانی عناصر و ہندی الفاظ کس قدر ہیں۔ اس سے کون واقف نہیں۔

عہد جدید میں ناول و افسانہ کو بھی فروغ ہوا۔ نذیر احمد سے پریم چند تک کئی اسالیب نظر آتے ہیں۔ نذیر احمد کے ناولوں کی زبان سادہ سلیس اور عام فہم زبان ہے۔ پریم چند نے اردو اور ہندی میں جو کچھ لکھا ہے اسے معیاری اردو اور معیاری ہندی کہہ سکتے ہیں انھوں نے اردو میں ہندی الفاظ کے استعمال سے بچنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی ہندی میں اردو الفاظ کے استعمال سے گریز کیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر جو ادب وجود میں آیا اس نے پریم چند کی لسانی روایات کو اپنایا۔ آزادی کی تحریک میں شاعروں اور ادیبوں نے بھی حصہ لیا۔ انھوں نے ایسی زبان استعمال کی جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متاثر کر سکتی تھی۔ انقلابی نظموں اور گیتوں میں بکثرت ہندی الفاظ استعمال کئے گئے۔

اردو اور ہندی کے شاعروں اور ادیبوں کا ایک ایسا طبقہ ہمیشہ

رہا ہے جو اپنی زبان کے دامن کو دوسری زبان سے بچائے رکھنے کی کوشش کرتا رہا ہے آزادی کے بعد جو نئی نسل وجود میں آئی اس میں بہت سے ایسے فنکار نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنی زبان کو وسعت دینے کی کوشش کی ہندی شاعروں اور ادیبوں کا ایک طبقہ اردو الفاظ کا بکثرت استعمال کرتا ہے اور اردو کے نئے شاعر و ادیب ہندی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

ختم شد